"صرف پاکستان"

ایک طیلسان جامعہ عثمانیہ

کے

قلم سے

ناشر

مرزا مظفر بیگ (مکتبہ ابراہیمیہ)

اپریل ۱۹۴۱ء

(۲۰۰۰)

قیمت معہ نقشہ (۱۰/)

نادر علی کے نام

اس کتاب میں تحریک پاکستان کے متعلق ضروری معلومات
ترتیب کے ساتھ یکجا کر دئے گئے ہیں، چنانچہ فہرست مضامین سے ظاہر ہوگا
کہ یہ کتاب جملہ امور پر حاوی ہے، دوسری چیز یہ ہے کہ صرف مواد
جمع کرنے پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اس پر تنقیدی نظر بھی ڈالی گئی ہے
اور پاکستان کے مسائل تک قارئین کی ذہنی رسائی کا سامان مہیا
کیا گیا ہے۔

اس وقت تک پاکستان سے متعلق جتنی کتابیں اردو میں شائع ہوئی ہیں
وہ اصولی طور پر مرتب نہ ہونے کی وجہ سے تشنہ ہیں۔ اگر یہ کتاب اس
کمی کو پورا کردے تو مصنف کی محنت مشکور ہوگی فقط

ایک طیلسان جامعہ عثمانیہ

حیدرآباد دکن
۵ اپریل ۱۹۴۱ء

فہرست مضامین

صفحات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اوّل

قومی وطن کی تحریک

مسلم لیگ کی قرارداد لاہور نے ہندوستان کی دستوری تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کر دیا ہے اس قرارداد میں سب سے پہلی مرتبہ اس امر کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے آزاد مملکتیں قایم کیجائیں اس باب میں اُن اسباب پر روشنی ڈالی جائے گی جن کی بناء پر مسلم لیگ اس مطالبہ پر مجبور ہوئی ۔

ہندو مسلم نزاع کی بنیاد ہندوستان کا دستور حکومت ہے جس کے دو پہلو ہیں

(۱) ایک وہ جس کا تعلق ہندوستان کی بحیثیت مجموعی آزادی سے ہے

(۲) دوسرا وہ پہلو جس کا تعلق اندرونی دستوری انتظام سے ہے

جہاں تک جزو اول کا تعلق ہے ہندوستانیوں کی گزشتہ نصف صدی

کی سیاسی جد وجہد کے نتیجہ کے طور پر حکومت برطانیہ نے ہندوستان کو نوآبادیاتی مرتبہ عطا کرنے کا وعدہ کر لیا ہے جس کے بعد ہندوستان کی حیثیت انگلستان کے ساتھ مساویانہ ہو جائے گی۔ اس وقت ہمیں اس پہلو سے بحث نہیں ہے۔

جو دستورِ حکومت اس وقت زیرِ بحث ہے وہ حکومت ہند کا دستور بابتہ سنہ ۱۹۳۵ء ہے جس کے بموجب ہندوستان میں ایک ایسا وفاق قائم کرنے کی تجویز کی گئی ہے جو (۱) خود مختار صوبہ جات اور ایک وفاقی مرکز پر مشتمل ہوگا اور جس میں حکومت پارلیمانی یعنی جمہوری نوعیت کی ہوگی۔ جس میں اقتدار اکثریتی جماعت کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

مسلمانوں کو یہ اعتراض ہے کہ:۔

(۱) یہ دستور اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ ہندوستان کی آبادی متجانس قوم پر مشتمل ہے جو صحیح نہیں ہے۔ دوسری اقوام سے قطع نظر یہاں دو بڑی قومیں ایسی ہیں جو دو مختلف مذاہب اور دو مختلف معاشرتی نظاما سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان مذاہب کے اختلافات کا یہ عالم ہے کہ ایک خالص وحدانیت کا علمبردار ہے تو دوسرے کا ایمان تکثیر ہے۔ ایک کے معاشرتی نظام کی بنیاد عالمی برادری ہے جو رنگ، نسل، زبان اور مرتبہ کے امتیازات اور جغرافیائی حدود کو یکسر نظر انداز کر دیتی ہے تو دوسری نوعِ انسان کو ورنا کی عمودی اور جاتیوں کی افقی تقسیم سے منقسم کر دیتی ہے۔ دونوں کی تہذیب جداگانہ، طرزِ زندگی جداگانہ، معاشی مفادات

اور سیاسی عقائد جداگانہ ایسی دو اقوام کبھی متحد ہو سکیں اور نہ ہو سکتی ہیں۔

(۲) اس دستور کے تحت جو جمہوری حکومت تجویز کی گئی ہے وہ عملاً ایک ہی اکثریتی قوم یعنی ہندوؤں کی حکومت ہوگی جس کے رحم و کرم پر دوسری قوموں کو جو اقلیت میں ہیں زندگی بسر کرنی پڑے گی۔

(۳) یہ دستور مسلمانوں کو نہ صرف مرکز بلکہ اکثر صوبہ جات میں اور معدودے چند کے سوا باقی سینکڑوں دیسی ریاستوں میں ہمیشہ کیلئے ایک بے دست و پا اقلیت بنا دیتا ہے۔

(۴) یہ دستور ملک میں مسلمانوں کی تاریخی اہمیت کو زائل کر دیتا ہے، اُن کیلئے معاشی احیاء اور اسلامی اصول پر آزادانہ زندگی اور ترقی کے کافی مواقع عطا نہیں کرتا۔

(۵) یہ دستور ہندوؤں اور مسلمانوں کے موجودہ مذہبی، سماجی، معاشی اور سیاسی اختلافات کو وسیع کر دیتا ہے اور ان اختلافات کی وجہ سے ملک میں ایک تیسری قوت کے وجود کو لازم کر دیتا اور اس طرح سے ہندوستان کی آزادی کے مقصد کو غیر معین مدت کے لیے معرض التوا میں ڈال دیتا ہے۔

مسلمانوں کا پہلا اعتراض ایک ایسی حقیقت پر مبنی ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کون شخص ہے جو اکبر کی ہندو مسلم اتحاد کی کوششوں سے واقف نہیں۔ اکبر نے ہندو مسلم اتحاد کے لیے نہ صرف ہندوؤں کی بیٹیوں سے شادیاں کیں، گوشت کا استعمال ترک کر دیا، ہندوؤں کے مذہبی رسوم میں شرکت کی بلکہ ایک خاص دینِ الٰہی کے قیام کی کوشش کی لیکن ان کوششوں کے باوجود ہندو مسلم اتحاد قائم نہ ہو سکا۔ اس کے بعد تقریباً

ہر زمانہ میں اس اتحاد کی ضرورت پر زور دیا جاتا رہا اور کوششیں کیجاتی رہیں، چنانچہ ہندوستان کے دور بیداری میں کم از کم ایک درجن ایسی منظم کوششوں کا پتہ چلتا ہے لیکن عجیب بات ہے کہ ان کوششوں کا نتیجہ ہمیشہ اتحاد کی بجائے اختلاف میں اضافہ کا موجب ہوا اور اِس وقت اس اتحاد کا جو عالم ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔

ان ناکامیوں کی اصل وجہ ان دو اقوام کے مذاہب کا اساسی اختلاف ہے جس کا اعتراف لالہ لجپت رائے کی جیسی شخصیت نے مسٹر سی آر داس کے نام ایک خط میں حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے:—

"ایک اور چیز ہے جو چند روز سے مجھے ستا رہی ہے اور جس کے متعلق میں چاہتا ہوں کہ آپ احتیاط کے ساتھ غور کریں۔ یہ ہندو مسلم اتحاد کا سوال ہے۔ میں نے گزشتہ (۶) ماہ کا بہت بڑا حصہ تاریخ اسلام اور اسلامی قانون کے مطالعہ میں صرف کیا ہے اور میرا خیال ہے کہ ہندو مسلم اتحاد ممکن ہے اور نہ قابلِ عمل تحریک ترک موالات میں مسلم قائدین کے خلوص کو تسلیم کرتے ہوئے میں خیال کرتا ہوں کہ ان کا مذہب ایسی چیزوں کا مانع ہے۔

میں نے کلکتہ میں حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر کیچلو سے جو گفتگو کی تھی وہ یاد ہو گی، واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان میں اجمل خاں سے بہتر کوئی مسلمان نہیں ہے لیکن کیا کوئی مسلمان قرآن کی خلاف ورزی کر سکتا ہے۔ اس کے خلاف اگر میں کوئی امید کر سکتا ہوں تو وہ صرف یہ کہ

میں نے اسلامی قانون کے سمجھنے میں غلطی کی ہے اور میرے لئے
اس سے بڑھ کر کوئی چیز اطمینان بخش نہیں ہو سکتی کہ مجھے اپنی غلطی کا
یقین دلا دیا جائے۔ لیکن اگر میرا خیال صحیح ہے تو اس کے معنی یہ
ہوں گے کہ اگرچہ ہم حکومت برطانیہ کے خلاف متحد ہو سکتے ہیں،
لیکن ہندوستان پر جمہوری حکومت کے لئے متحد نہیں ہو سکتے۔
سوال یہ ہے کہ پھر علاج کیا ہے۔ میں ہندوستان کے سات کروڑ
مسلمانوں سے خائف نہیں ہوں۔ لیکن جب یہ افغانستان، وسطی
ایشیا، عرب، عراق اور ترکی کی مسلح فوجوں کے ساتھ مل جائیں تو
پھر ان کی مزاحمت ناممکن ہو جائے گی۔ میں پورے خلوص اور
ایمانداری کے ساتھ، ہندو مسلم اتحاد کی ضرورت اور افادیت کا
قائل ہوں۔ میں مسلم قائدین پر کامل اعتماد کرنے کے لئے بھی آمادہ
ہوں، لیکن اُن قرآنی احکام اور احادیث کی نسبت کیا کیا جائے
مسلم قائدین ان کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔ کیا پھر ہمیں مایوس
ہو جانا چاہیے؟ امید کہ ایسا نہیں ہوگا اور آپ کی قابلیت اور
دانشمندی اس مصیبت سے نکلنے کی کوئی راہ سجھائے گی۔"[1]

اس حقیقت سے قطع نظر یہ ہو سکتا ہے کہ ہر فرقہ میں چند ایسے انسان
ہوں جو اپنی قوم، مذہب اور تہذیب کی خصوصیات سے مستغنی ہو کر آپس میں اس طرح
گھل مل جائیں کہ کوئی امتیاز باقی نہ رہے۔ لیکن اول تو ایسی مثالیں بہت

---

[1] سوانح ساورکر مصنفہ اندر پرکاش۔

کم ہیں، دوسرے یہ دیکھا گیا کہ جب کبھی فرقہ واری اختلافات میں شدت
پیدا ہو گئی تو یہ بھی ایک دوسرے سے کھنچنے لگے، یہ بھی صحیح ہے کہ صدیوں
تک یکجا زندگی بسر کرنے کی وجہ سے ایک کی معاشرت کا دوسرے کی معاشرت
پر اثر پڑا ہے لیکن یہ اثر سطحی نوعیت کا ہے یا تو تقلید یا نامکمل تبلیغ کا نتیجہ
ہے اس سے یہ دھوکہ نہ ہونا چاہیئے کہ کسی قوم کی خارجی زندگی میں
تبدیلی سے اس کا باطن بھی بدل جاتا ہے۔

ہندو مسلم اتحاد اور متحدہ قومیت کے متعلق سارے مسئلے قومیت کے
مختلف نظریات کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ کہیں یہ تصور کیا جاتا ہے کہ
قومیت کی بنیاد نسل ہے، کبھی یہ سمجھا جاتا ہے کہ قومیت کی بنیاد زبان ہے
کبھی اس پر زور دیا جاتا ہے کہ قومیت وطن سے متعین ہوتی ہے، کبھی
اس کو ماضی اور مستقبل کے شعور پر مبنی کیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ قومیت مذہب
اور صرف مذہب سے متعین ہوتی ہے۔ یہ حقیقت ان لوگوں کے لئے
جو ہر چیز کو مغربی معیار پر جانچتے ہیں، تعجب خیز معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ مسٹر
گاندھی نے بھی یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اگر کوئی انگریز مسلمان ہو جائے تو
اس کی قومیت نہیں بدلتی۔ یہاں قومیت کے جس معیار سے یہ فیصلہ صادر
کیا گیا ہے وہ مغربی معیار ہے۔ مغرب کی جملہ اقوام کا مذہب ایک
ہے اس لئے وہاں قومیت کا امتیاز وطنی یا نسلی یا لسانی یا تہذیبی بنیاد
پر کیا جاتا ہے۔ اگر وہاں کوئی شخص مذہب بدل لے تو اس کی قومیت پر ظاہر
کوئی اثر نہیں پڑتا لیکن اسلامی نقطۂ نظر سے اس کی قومیت بدل جاتی ہے

وہ انگلستان کے حدود سے نکل کر ایک عالمی برادری کا رکن ہو، زندگی کے متعلق ایک جدید نقطۂ نظر کا حامل اور نہ صرف مذہبی بلکہ سیاسی عقائد کے لحاظ سے بھی ایک دوسرا شخص ہو جاتا ہے۔

اسلام کا نظریۂ قومیت بالکل مختلف ہے۔ اسلام نے اپنے پیروؤں کو قوم نہیں بلکہ ملت کا نام دیا ہے۔ جو ملت وطن، زبان اور نسل کے امتیازات سے بلند و بالاتر ہے۔ چین کے مسلمان اور افریقہ کے حبشی اس ملت کے ایسے ہی رکن ہیں جیسے عرب کے مسلمان۔ بے شک رنگ، نسل، وطن اور زبان کے اختلافات ہیں لیکن اسلام انکو شناخت کے علائم قرار دیتا ہے۔ لہذا جب ہم مسلمانوں کے تعلق سے قوم کا لفظ استعمال کریں تو اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ مغربی معنوں میں قومیت کا اطلاق مسلمانوں پر نہیں ہوتا۔

اس سلسلہ میں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ تہذیب اور روایات کو بھی قومیت کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے لیکن تہذیب مذہب ہی سے پیدا ہوتی ہے اور اس کے نقطۂ نظر تعلیمات اور ہدایات کا مظہر ہوتی ہے۔ مذہب کی بجائے تہذیب کو قومیت کی اساس قرار دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ اصل کی بجائے اس کے مظہر کا نام لے لینا۔

چنانچہ گاندھی جی نے ڈاکٹر عبداللطیف کو ان کی کتاب "ہندوستان کا تہذیبی مستقبل" پڑھنے کے بعد جس میں ڈاکٹر صاحب نے فرقہ وارانہ اختلافات کا تجزیہ کر کے یہ بتایا تھا کہ ان دو اقوام کا اختلاف تہذیبی اختلاف ہے،

لکھ بھیجا تھا کہ وہ ہر دو تہذیبوں کے امتزاج کے معتقد ہیں۔ یہاں گاندھی نے تہذیب کو مذہب سے علیحدہ ایک چیز تصور کر لیا۔ ورنہ انہیں یہ سمجھنے میں دشواری نہیں ہوتی کہ جس طرح مذہب اسلام اور ہندومت میں امتزاج ناممکن ہے اسی طرح ہندو تہذیب اور اسلامی تہذیب میں کوئی امتزاج پیدا نہیں ہو سکتا۔

مسلمانوں کے دوسرے اعتراضات کسی بحث کے محتاج نہیں۔ وفاقی دستور پر ایک سرسری نظر اُن کی آئینی حیثیت کو واضح کر دیتی ہے اور صوبہ واری خود مختاری کے نفاذ کے بعد ملک میں جو فرقہ واری ہنگامے ہوئے اُن کے مد نظر یہ حقیقت پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اس دستور نے فرقہ وارانہ اختلافات کی خلیج کو اور وسیع کر دیا۔

کانگریس کا طرزِ عمل

اس طرح سے جہاں دستور حکومت ہند بابتہ ۱۹۳۵ء سے متعلق مسلمانوں کو یہ اعتراضات ہیں وہاں دیکھنا یہ ہے کہ انڈین نیشنل کانگریس کا کیا طرز عمل رہا۔ کانگریس نے پہلے اس دستور کی مذمت کی لیکن جب ۱۹۳۷ء میں صوبہ داری خود مختار کے جزو کا نفاذ عمل میں آیا تو اس نے اس ادّعا کے ساتھ کہ وہ اندر داخل ہو کر دستور کو شکست دے گی، انتخابات میں حصہ لیا۔ اور (۱۱) کے منجملہ (۶) صوبوں میں کامیابی حاصل کی۔ بقیہ (۵) مسلم صوبوں بنگال، پنجاب سندھ، صوبۂ سرحد اور آسام میں مسلم لیگ کے نمائندے منتخب ہوئے۔ یہ نتائج کانگریس کے لئے پریشان کن تھے، اس کے معنی یہ تھے کہ کانگریس

کو مسلمانوں کا اعتماد حاصل نہیں ہے اور اقلیتی صوبوں میں اس کو مسلمانوں کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اس صورت حال کی مقاومت کے لئے اُس نے یہ تجویز کی کہ انتخابات کے بعد خدمات کو اس وقت تک قبول کرنے سے انکار کر دیا جب تک کہ حکومت نے اِس کا اطمینان نہیں دلا دیا کہ صوبہ جات کے گورنر دستور کے بموجب اپنے خاص اختیارات کا استعمال نہیں کریں گے۔ جس میں اقلیتوں کے مفادات کی حفاظت بھی داخل تھی۔ گو یہ کہا جاتا تھا کہ اس کا مقصد روزمرہ کاروبار میں عدم مداخلت ہے لیکن حقیقی منشأ یہ تھا کہ کانگریس کو صوبوں پر کامل اختیارات حاصل ہو جائیں اور اقلیتیں اس کی مخالفت نہ کر سکیں۔

پہلی خلاف ورزی

خدمات قبول کرتے ہی کانگریس نے سب سے پہلے جو حرکت کی وہ یہ تھی کہ اس نے صوبہ واری وزارتوں میں ایسے مسلمانوں کو شریک کرنے سے انکار کر دیا جو مجالس مقننہ کے مسلم ارکان کے اعتماد کے حامل ہوں۔ حالانکہ گول میز کانفرنس میں کانگریس نے اس سے اتفاق کیا تھا کہ کابینوں میں اقلیتی فرقوں کے نمائندوں کو شریک کیا جائے گا۔ اس چیز کو اقلیتیں دستور میں شریک کرانا چاہتی تھیں مگر کانگریس نے اس کو عمل درآمد قرار دینے پر اصرار کیا۔ چنانچہ درمیانی سمجھوتہ کے طور پر طے پایا کہ اس شرط کو گورنروں کے دستاویز ہدایات میں درج کیا جائے اور اُن پر لازم کر دیا جائے کہ وہ یہ دیکھیں کہ کابینہ کی ترتیب میں اس شرط کی تکمیل کی جاتی ہے یا نہیں لیکن جب عمل کا وقت آیا

تو کانگریس نے مسلمانوں کو لینے پر تو رضامندی ظاہر کی، مگر یہ شرط لگا دی
کہ وہ مسلم لیگ سے مستعفی ہو کر کانگریس کے اقرار نامہ پر دستخط کریں اس کا
مقصد علانیہ یہ تھا کہ ایک طرف تکمیل ضابطہ کے لئے مسلمانوں کے نام نہاد
نمائندے شریک کر لئے جائیں اور دوسری طرف ملک میں سوائے
کانگریس کے کوئی جماعت باقی نہ رہے ۔

مسلم لیگ سے انکار

کانگریس کی دوسری حرکت یہ تھی کہ اس نے مسلم لیگ کو مسلمانوں کا نمائندہ ادارہ تسلیم
کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اس کو احرار اور جمعیۃ العلماء کی طرح ایک ادارہ
قرار دیا۔ کانگریس کا یہ طرز عمل نہ صرف غیر صحیح بلکہ مسلم لیگ سے
بغض پر مبنی تھا، کیونکہ کانگریس جانتی تھی کہ مسلمانوں کے جملہ
اداروں میں صرف مسلم لیگ سب سے زیادہ با اثر اور مسلمانوں کی نمائندہ
جماعت ہے ۔

مسلم صوبہ جات میں مداخلت

کانگریس کی تیسری حرکت جس نے
مسلمانوں کو اس سے متنفر کر دیا یہ تھی
کہ اس نے مسلم لیگ کے صوبوں میں وزارتوں کو پریشان اور ناکام کرنے
کی کوشش کی چنانچہ اس کوشش کے نتیجہ کے طور پر صوبہ سرحد اور آسام
کی وزارتیں کانگریس کے زیر اقتدار آ گئیں ۔

کانگریس کی ڈکٹیٹری

چوتھی حرکت یہ تھی کہ کانگریس کی مجلس
عاملہ کو مرکزی حکومت کے متوازی

ادارہ کی حیثیت دے دی اور صوبہ واری حکومتوں کو اس کے نزدیک
ذمہ دار قرار دیا۔ حلقہ واری ڈکٹیٹر مقرر کئے گئے جن کے ہدایات کی
تعمیل وزارتوں پہ ضروری قرار دیگئی۔ ان کی مرضی اور ایماء کے بغیر
کوئی قانون پاس نہیں کیا جا سکتا تھا اور اس طرح تھوڑی بہت مخالفت
کی گنجائش بھی ختم کر دی گئی تھی۔

کانگریسی پروگرام

لیکن کانگریس نے اسی پہ اکتفا نہیں کیا۔ اس نے عہدے قبول کرتے ہی صوبہ جات میں
کانگریسی پروگرام کو نافذ کرنا شروع کر دیا جس کے اساسی اصول چرخہ
اہنسا، بھنا ولی، ستیا گرہ، برہما چاری اور ہریجن ادھار تھے۔ کانگریسی
علم کو قومی علم اور بندے ماترم کو جو مسلمانوں کے لئے ایک اشتعال انگیز
نظم ہے۔ قومی ترانہ قرار دیا۔ وردھا اور ودیا مندر اسکیم کے ذریعہ اسلامی
تہذیب کو متاثر کرنے کی کوشش کیگئی اردو کی جگہ ہندی کو دیگئی۔ بعض مدارس
میں مسٹر گاندھی کی تصویر کی سلامی اور بندے ماترم کے ترانہ کو مسلمان
بچوں کے لئے بھی لازمی کر دیا۔ درگا اور سرسوتی کی تصویریں لگوائیں
مسٹر گاندھی کے مسلک کو سرکاری مذہب بنا لیا گیا۔ گاندھی جینتی اور یوم
تلک کو عام تعطیلات قرار دیا گیا، مہاتما کے لقب کا سرکاری طور پہ
استعمال کیا جانے لگا۔ ملازمتوں میں ہندوؤں کو ترجیح دیجانے لگی۔

ہندوؤں کی طرفداری

صوبہ جات میں جملہ رفاہی اسکیموں میں مسلمانوں کو نظر انداز کیا گیا جو

تجارتیں مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھیں اُن پر ٹیکس لگائے گئے۔ جب بنگال میں مسلمان کسانوں کی فلاح کے لئے قانون پٹہ داران پیش کیا گیا تو کانگریس نے اس کی مخالفت کی کیونکہ ہندو زمین دار تھے اور صوبۂ متحدہ میں اسی قسم کا قانون پاس کرایا جہاں مسلمان زمیندار ہیں اسی طرح جب پنجاب میں زرعی طبقہ کی حفاظت کے لیے زرعی قوانین پاس کیے جانے لگے تو کانگریس نے اس کی شدت کے ساتھ مخالفت کی کیونکہ یہاں قرض خواہ جن کے چنگل میں کسان پھنسے ہوئے ہیں ہندو تھے۔

مسلمانوں پر زیادتیاں علاوہ ازیں مسلمانوں پر طرح طرح کے مظالم ہوئے۔ سیول آزادی کو مسلمانوں کے حق میں ختم کر دیا گیا۔ اُن کے جلسوں کی نگرانی کی جاتی تھی وہ گائے کی قربانی نہیں کر سکتے تھے، وہ آزادی کے ساتھ جلوس نہیں نکال سکتے تھے۔ مذہبی رسوم پر پابندیاں عائد کی گئیں۔ اردو صحافت پر سختیاں کی گئیں، مسلمانوں کے لیے انصاف ناممکن ہو گیا تھا۔

اِدھر آریہ سماجیوں کے ذریعہ مسلمانوں کے خلاف مہم آغاز کرا دی گئی۔ اور پبلک پلیٹ فارموں سے پروپگنڈہ کیا جانے لگا کہ مسلمانوں کو ہندوستان سے باہر نکال دیا جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرف بدامنی پھیل گئی۔

تحفظات کی ناکامی ان حالات سے تنگ آ کر جب مسلمانوں نے وائسرائے اور گورنروں کے خاص اختیارات سے

امداد لینی چاہی تو انہیں مجبور پایا۔ کیونکہ کانگریس ملک کی سب سے قوی جماعت تھی اور اس کو ناراض کرنے کے معنی یہ تھے کہ دستور کو معطل کر دیا جائے۔ اس طرح تحفظات بھی جن کی ضمانت حکومت نے لی تھی بے اثر ثابت ہو چکے تھے۔ کانگریسی دور سے مسلمانوں کی مایوسی کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ جب جنگ کے مسئلہ پر کانگریس کی وزارتیں مستعفی ہو گئیں تو مسلمانوں نے ہندوستان کے طول و عرض میں یوم نجات منایا۔

مسلمانوں کا تردد

مسلمانوں کی مسلسل کوششوں کے باوجود ہندو مسلم اتحاد کی ناکامی، کانگریس کا یہ طرز عمل اور تحفظات کی غیر افادیت نے مسلمانوں کو اپنے مستقبل کے متعلق غور کرنے پر مجبور کر دیا۔ ملک کے مسلم مفکرین نے اس صورت حال کا حل تلاش کرنے کی فکر شروع کر دی۔

قومی وطن کی تحریک

مسلم لیگ بے بس ہو چکی تھی وہ کانگریس کی شاکی تھی، حکومت پر کوئی اعتماد باقی نہیں رہا تھا۔ مسلمانوں کی قومی تعمیر کا کوئی ایجابی حل موجود نہ ہونے کی وجہ سے اس کی سیاسی جد و جہد مدافعتی نوعیت کی ہو گئی تھی کہ ایسے میں مارچ سنہ ۱۹۳۸ء میں جامعہ عثمانیہ کے ایک سابق پروفیسر ڈاکٹر سید عبد اللطیف حیدر آبادی نے اپنی تاریخی کتاب "ہندوستان کا تہذیبی مستقبل" میں ہندو مسلم اختلافات کے اصلی اسباب پر روشنی ڈالتے

ہوئے مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ قومی وطن کے قیام کا مشورہ دیا اور تہذیبی اساس پر ہندوستان میں آزاد مملکتوں کے قیام کا ایک مکمل خاکہ پیش کیا۔ اس کتاب نے شائع ہوتے ہی مسلم لیگ کے قائدین کو اپنی طرف متوجہ کرلیا اور ۲۹ جنوری ۱۹۳۹ء کو لاہور کے ایک جلسہ میں ڈاکٹر صاحب سے اس اسکیم کی تفصیلات پر تبادلہ خیال کرنے کے بعد اس تجویز کو مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے ہندوستانی مسئلہ کے ایک حل کے طور پر قبول کرلیا گیا۔

سابقہ تحریکات مسلمانوں کے لئے قومی وطن کی تحریک کوئی نئی تحریک نہیں ہے یہ سمجھنا چاہیئے کہ اس تحریک نے ایک موہوم صورت میں اسی وقت جنم لے لیا تھا جب کہ ۱۸۹۳ء میں مسلمانوں نے ڈیفنس اسوسی ایشن قائم کرکے جداگانہ انتخابات کی درخواست کی اس کے بعد یہ مطالبہ تقریباً ہر سال کسی نہ کسی صورت میں دہرایا جاتا رہا مگر سب سے پہلے جس ہستی نے اس کو ایک متعین رخ کی طرف پھیر دیا وہ علامہ جمال الدین افغانی تھے۔ آپ کی یہ تحریک تھی کہ فلسطین سے افغانستان تک اسلامی سلطنتوں کا ایک وفاق قائم کیا جائے اور پنجاب، صوبہ سرحد، بلوچستان اور سندھ کو اس میں شریک کرلیا جائے چونکہ یہ تحریک اتحادِ ممالک اسلامی کی وسیع تحریک سے وابستہ تھی۔ اس لئے اس پر کوئی توجہ نہیں کی گئی اِس کے بعد ۱۹۲۳ء میں صوبۂ سرحد کی تحقیقاتی کمیٹی کے

روبرو سردار گل محمد خاں نے شہادت ادا کرتے ہوئے یہ تجویز پیش کی تھی کہ صوبۂ سرحد سے آگرہ تک پورا رقبہ مسلمانوں کو دیدیا جائے تاکہ مسلمان تبادلۂ آبادی کے ذریعہ اس رقبہ میں اسلامی مملکت قائم کرسکیں مگر یہ تجویز بھی رپورٹ کے صفحات سے آگے نہیں بڑھ سکی اس کے بعد ۱۹۳۰ء میں ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس الہ آباد کے خطبۂ صدارت میں تجویز پیش کی تھی کہ پنجاب، صوبۂ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک واحد اسلامی صوبہ قائم کیا جائے اس زمانہ میں مسلمانوں کی نظریں راؤنڈ ٹیبل کانفرنس پر لگی ہوئی تھیں اور مسلمانوں کو اس تحریک کی طرف متوجہ کرنے کے لئے کوئی محرک موجود نہ تھا اس لئے اس پر بھی کوئی غور نہیں کیا گیا اس کے دو سال بعد ۱۹۳۲ء میں چودھری رحمت علی صاحب اور بعض پنجابی طلباء نے جب کہ وہ انگلستان میں زیر تعلیم تھے اس تحریک کو اٹھایا اور پنجاب، افغانستان، کشمیر، سندھ کے ابتدائی حروف کو بلوچستان کے تان سے ملا کر پاکستان کا نام دیا لیکن ان کی کوششوں سے بھی یہ تحریک ملک میں روشناس نہ ہو سکی۔

ڈاکٹر عبد اللطیف صاحب کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اس تحریک کو وقت پر زندہ کیا اور نہ صرف شمال مغربی صوبہ جات بلکہ کل ہندوستان کی بنیاد پر اس کو وسعت دی اور دلائل و براہین کے ساتھ قومی وطن کی ضرورت کو ثابت کیا جس کے نتیجہ کے طور پر اب یہ تحریک پروان چڑھ رہی ہے۔

اور پاکستان کے نام سے مشہور ہوگئی[۱] ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی تحریک کے بعد اور اسکیمیں بھی پیش ہوئی ہیں اور ان سب کو باب دوم میں درج کیا گیا ہے۔

باب دوم

قومی وطن کی مختلف اسکیمیں

مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے ہندوستان کے دستوری مسئلہ کے حل کے طور پر جو اسکیمیں اس وقت تک منظر عام پر آئی ہیں ان کے منجملہ چار لائق لحاظ ہیں یہی چار اسکیمیں مسلم لیگ کی مجلس خارجہ کی ذیلی کمیٹی کے زیر غور تھیں جس کی رپورٹ باب چہارم میں درج ہے۔ اس باب میں ان چاروں اسکیموں کو پیش کیا گیا ہے اور آخر میں ان پر سرسری تبصرہ کیا گیا ہے

یہ اسکیمیں بلحاظ ترتیب زمانی حسب ذیل ہیں:-

(۱) ڈاکٹر سید عبد اللطیف صاحب سابق پروفیسر جامعہ عثمانیہ کی ہندوستانی ملتوں کی اسکیم

(۲) سر سکندر حیات خاں وزیر اعظم پنجاب کی حلقہ واری وفاق کی اسکیم

(۳) ایک پنجابی صاحب کی اجزائے سہ گانہ کی اسکیم

(۴) پروفیسر صاحبان علیگڈھ کی سہ مملکتی اسکیم۔

(۱) تہذیبی منطقوں کی اسکیم

"اس اسکیم کا ابتدائی خاکہ ڈاکٹر سید عبد اللطیف صاحب نے مارچ ۱۹۳۸ء میں اپنی مشہور کتاب "ہندوستان کا تہذیبی مستقبل" میں پیش کیا تھا اس کے بعد مسلم لیگ کی مجلس خارجہ کی ایما، پر اس کو ایک مکمل اسکیم کی صورت میں وسعت دی، جس کو مسٹر جناح کی منظوری سے ارکان مسلم لیگ کونسل کے پاس گشت کرایا گیا اور ۲۶۔ مارچ ۱۹۳۹ء کو مجلس عاملہ مسلم لیگ کا ایک خاص جلسہ اس پر غور کرنے کے لئے منعقد کیا گیا جس میں اس کو اور اسکیموں کے ساتھ ایک ذیلی کمیٹی کے تفویض کیا گیا۔ یہ اسکیم ڈاکٹر صاحب کی دوسری کتاب "ہندوستان میں مسلمانوں کا مسئلہ" میں شائع ہو چکی ہے، بعد میں ڈاکٹر صاحب نے اس اسکیم کے ایک حصہ کی جو تبادل دستور سے متعلق ہے نظر ثانی کی ہے۔ جس کو یہاں شریک کر لیا گیا ہے۔"

اس اسکیم میں جو تبادلہ آبادی کے اصول پر مبنی ہے ہندوستان کو (۱۵) تہذیبی منطقوں میں تقسیم کیا گیا ہے جن کے منجملہ (۴) منطقے مسلمانوں کے لئے تجویز کئے گئے ہیں اور باقی (۱۱) ہندوؤں کے لئے۔ دیسی ریاستوں کو اپنے محل وقوع اور قدرتی مناسبت کے لحاظ سے متعلقہ منطقوں میں جگہ دیدی گئی ہے۔ یہ منطقے حسب ذیل ہیں:-

مسلمانوں کے منطقے

(الف) بڑے منطقے

(۱) شمال مغربی منطقہ - جو پنجاب، کشمیر، صوبہ سرحد، بلوچستان سندھ، خیرپور اور بہاولپور پر مشتمل ہے اور جس کی مسلم آبادی ڈھائی کروڑ سے زیادہ ہے۔

(۲) شمال مشرقی منطقہ جو مشرقی بنگال اور آسام پر مشتمل ہے اور جس میں تین کروڑ سے زیادہ مسلمان آباد ہیں۔

(۳) دہلی لکھنؤ کا منطقہ جو پٹیالہ کی مشرقی سرحد سے شروع ہو کر شمال میں رام پور اور جنوب میں آگرہ پر سے ہوتا ہوا لکھنؤ پر ختم ہوتا ہے۔ یہ منطقہ ان مسلمانوں کے لئے تجویز کیا گیا ہے جو شمال مغربی اور شمال مشرقی منطقوں کے درمیان پھیلے ہوئے ہیں اور جن کی تعداد صرف صوبہ جات متحدہ اور بہار میں ایک کروڑ بیس لاکھ ہے۔

(۴) دکھن کا منطقہ جو حیدرآباد اور برار پر مشتمل ہے اور جس کو ایک سیری کے ذریعہ جو کرنول، کڑپہ، چتوڑ اور شمالی ارکاٹ پر سے گزرتی ہے مدراس سے لیجا کر ملا یا گیا ہے۔ یہ منطقہ اُن مسلمانوں کے لئے تجویز کیا گیا ہے جو بندھیاچل اور ست پڑا کے جنوب میں راس کماری تک پھیلے ہوئے ہیں اور جن کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ ہے۔ اس کو مدراس تک وسعت دینے کا مقصد یہ ہے کہ کرنول، کڑپہ، چتوڑ اور

ارکاٹ میں جو مسلمان آباد ہیں وہ اس میں شامل ہو جائیں نیز کارومنڈل
اور ملابار کے مسلمانوں کے لئے جو صدیوں سے ساحل پر تجارت کر رہے ہیں
اور جو اس منطقہ میں ضم ہوں گے ایک سمندری راستہ ملے۔ علاوہ ازیں اس
منطقہ سے ایک بالواسطہ فائدہ یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ جنوبی
ہند کی پانچ ہندو اقوام یعنی مرہٹوں، کنٹروں، ملایالی، تامل اور
آندھرا کے رشتوں کے حدود معین ہو جاتے ہیں۔

(ب) چھوٹے منطقے

(۱) بھوپال (۲) ٹونک (۳) جوناگڑھ (۴) جاورہ (۵) اجمیر
مسلمانوں کے بڑے منطقوں میں راجپوتانہ، گجرات، مالوہ اور مغربی ہند
کی دیسی ریاستوں کے مسلمانوں کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے اس لئے ان کے
لئے متذکرہ صدر (۵) چھوٹے منطقے تجویز کئے گئے ہیں۔ اجمیر کو اس
کی مذہبی اہمیت کے لحاظ سے ہندوؤں کے شہر بنارس اور الہ آباد کی طرح
مسلمانوں کا مرکز قرار دیا گیا ہے۔

ہندوؤں کے منطقے

ہندوؤں کے لئے ان کے تہذیبی اور لسانی اختلافات کے لحاظ سے
حسب ذیل گیارہ منطقے قرار دئے گئے ہیں:-

(۱) مغربی بنگال اور بہار کا ایک حصہ جو بنگال کے ساتھ
تہذیبی مناسبت رکھتا ہے، بنگالی ہندوؤں کا منطقہ ہوگا۔

(۲) اڑیسہ جو اوڑیا بولنے والوں کے لئے مختص ہوگا۔

(۳) ہندوستان جو مغربی بہار سے لیکر دہلی، لکھنؤ کے مسلم منطقہ تک اور ہمالیہ سے لیکر وندھیاچل تک پھیلا ہوا ہوگا اور آریائی تہذیب کا منطقہ ہوگا اس میں وسطی ہند کی دیسی ریاستیں اور ہندوؤں کے مقدس مقامات الہ آباد، بنارس، متھرا اور ہردوار داخل ہیں۔

(۴) راجستان جو راجپوتانہ کی راجپوت ریاستوں پر مشتمل ہوگا اور راجپوتوں کا وطن ہوگا۔

(۵) گجرات جو گجراتی تہذیب کا مسکن ہوگا۔

(۶) مہاراشٹر جو مرہٹوں کا منطقہ ہوگا۔

(۷) کرنڈا – کنڈوں کا وطن ہوگا۔

(۸) آندھرا – آندھروں کا۔

(۹) تامل ناڈو تاملیوں کا۔

(۱۰) ملایا – ملایالیوں کا۔

(۱۱) شمال مغرب میں ہندوؤں اور سکھوں کا منطقہ:-

مسلمانوں کے شمال مغربی منطقہ میں جو ہندو اور سکھ آباد ہیں ان کے لئے یہ منطقہ تراشا گیا ہے جو پنجاب کی ریاستوں اور کشمیر کے ایک حصہ پر مشتمل ہے۔ کشمیر میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے اس لئے تجویز کی گئی ہے کہ کشمیر کے مسلم رقبوں کو مہاراجہ سے حاصل کر کے ان کے معاوضہ میں پنجاب کی وادی کانگڑہ کو جس میں ہندو زیادہ ہیں مہاراجہ کے تفویض کر دیا جائے۔

نظامِ حکومت

ہر منطقہ ایک آزاد مملکت ہوگا۔ اگر کسی منطقہ میں ایک سے زیادہ وحدتیں ہوں تو سب ملکر ایک وفاق میں متحد ہوں گی اور جملہ مملکتیں ایک اتحادیہ میں مربوط ہوں گی۔

تبادلہ آبادی

اس اسکیم کی تکمیل کے لئے تبادلہ آبادی ضروری ہے۔ مجوزنے لکھا ہے کہ تبادلہ آبادی ممکن ہے کہ تکلیف دہ معلوم ہو لیکن اس کے فوائد کے مقابلہ میں یہ تکلیف لائقِ لحاظ نہیں ہے۔ کیونکہ تبادلہ کے بعد ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایسے قومی وطن ملجائیں گے جہاں وہ بلا کسی مزاحمت کے پھل پھول سکیں گے۔ اس سلسلہ میں مجوزنے یہ بتایا ہے کہ اول تو اکثریتی تبادلہ بڑی مسافتوں پر مبنی نہ ہوگا۔ ہر منطقہ کے مسلمان یا ہندو اپنے قریب ترین منطقہ میں منتقل ہوں گے۔ دوسرے یہ تبادلہ بتدریج ہوگا اور جو منتقل ہونا نہیں چاہتے ان کے لئے ہر منطقہ میں موثر تحفظات رہیں گے۔

دستوری تحفظات

منطقوں کے دستور میں حسبِ ذیل تحفظات رکھے جائیں گے :-

(۱) قانونِ اقوامِ ہند مختلف اقوام کے افراد ایسے رقبوں میں

جن سے اُن کا تعلق نہ ہو خاص اغراض کے لئے زندگی بسر کر سکیں گے، ان افراد کو ہندوستانی اقوام کے قانون کے تحت جس کو مرکزی حکومت منظور کرے گی شخصی حفاظت اور شہری حقوق حاصل رہیں گے۔

۲۔ مذہبی معابد۔ متروکہ رقبوں کی جملہ مذہبی عبادت گاہوں، یادگاروں اور قبرستانوں کی نگرانی و نگہداشت خواہ وہ ہندوؤں کے علاقہ میں ہوں یا مسلمانوں کے علاقے میں۔ احدیہ کے متعلقہ منطقہ کی حکومت مرکزی حکومت کی نگرانی میں کرے گی۔

۳۔ چھوٹی قومیں۔ چھوٹی قوموں مثلاً عیسائی، اینگلو انڈین، پارسی اور بدھ مذہب کے پیروؤں کو خواہ وہ مسلم سلطنت میں ہوں یا ہندو سلطنت میں وہ تمام مذہبی اور تہذیبی تحفظات عطا کئے جائیں گے جو اُن کی انفرادیت کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہوں اور اگر وہ چاہیں تو اُن کو مرکزیوں کے مطالبہ کا بھی حق حاصل رہے گا۔

۴۔ ہریجن۔ مختلف پست اقوام اور اچھوت جن کو ہریجن کہا جاتا ہے پورے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں مختلف نسلی اختلافات ہیں۔ ان کی کوئی مشترکہ تہذیب نہیں ہے نہ یہ زمیندار ہیں لہٰذا ان کو اس بات کی کامل آزادی حاصل رہے گی کہ وہ ہندو اور مسلم علاقوں میں جہاں چاہیں مستقلاً توطن پذیر ہوں اور ان علاقوں میں عیسائیوں، اینگلو انڈین، بدھوں اور پارسیوں کی طرح انہیں بھی کامل شہری حقوق حاصل رہیں گے۔

عبوری دور کا انتظام

چونکہ اس اسکیم کو روبعمل لانے کے لئے کافی عرصہ درکار ہوگا۔ اس لئے ہم نے عبوری دور کے لئے ایک دستور کا مسودہ پیش کیا ہے جس کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ نہ صرف نصب العین متذکرہ صدر کی تکمیل میں ممد و معاون ہوگا بلکہ اس سے قطع نظر ہندو مسلم مسئلہ کے ایک مستقل حل کے طور پر بھی کام آسکتا ہے۔ یہ دستور حسب ذیل ہے۔

متبادل دستور ہند

ہندوستان میں ایک احدی دستور کے تحت جو اس کے مخصوص حالات کے لحاظ سے موزوں ہو ایک دولت عامہ یا احدیہ (Confederacy) قائم کیا جائے یہ احدیہ حسب ذیل با اقتدار مملکتوں پر مشتمل ہو۔

الف۔ برطانوی ہند کی احدی مملکتیں۔

ب۔ دیسی ریاستیں۔

برطانوی ہند کی مملکتیں

برطانوی ہند کی مملکتوں کو موجودہ حدود میں ترمیم و تبدیل کے بعد اس طرح ترتیب دیا جائے کہ وہ اس رقبہ میں رہنے والی قوم کی بہ نسبت سے کا متجانس جامع (Homogeneous compact) رقبہ بن جائے جہاں جہاں ممکن ہو ایسی مملکت مختلف وحدتوں سے ترکیب پائے گی جن

۳۵

ہر وحدت انتظامی امور میں خود مختار مگر ایک باہمی وفاق میں مربوط ہوگی۔ مثلاً شمال مغرب اور شمال مشرق میں مسلمانوں کے ایسے دو وفاق بنائے جا سکتے ہیں۔

دیسی ریاستیں

بڑی ریاستیں با اقتدار اور خود مختار رہیں اور وفاق میں اپنی مستقل حیثیت سے شریک ہو سکتی ہیں۔ چھوٹی ریاستیں یا تو جغرافی ہمسایہ کے ملحقہ صوبوں سے تعلق پیدا کریں یا مرکز میں نمائندگی کے لئے متحد ہو جائیں مگر یہ ریاستیں بھی داخلی امور میں خود مختار رہیں گی۔

مرکز اور وحدتوں کا تعلق

(۱) جملہ وحدتیں کامل خود مختار رہیں گی غیر مصرحہ (Residuary) اختیارات انہیں کو حاصل رہیں گے۔

(۲) مرکزی ابواب کی فہرست اقل ترین ہوگی یعنے اس میں حسب ذیل ابواب ہوں گے۔

الف۔ امور خارجہ۔

ب۔ دفاع۔

ج۔ اہم رسل و رسائل۔

د۔ چنگی وغیرہ۔

دفاع۔ دفاع کا انتظام حسب ذیل شرائط کا تابع ہوگا۔

الف ۔ ہر وفاقی مملکت اپنی فوج اپنے صرفہ سے رکھیگی جس کی تعداد
اور قوت کا انحصار اس حد تک کے موقع و محل اور اہمیت پر ہوگا اور دستور میں اس کی
صراحت کردی جائے گی ۔ فوج کا ایک حصہ وفاقی کہلایا جائے گا اور مرکز
اس کے اخراجات برداشت کرے گا ۔ معمولی حالات میں ہر مملکت کی
فوج اس مملکت کے محکمۂ فوج کے زیر انتظام اور مرکز کے زیر نگرانی رہے گی۔
لیکن جنگ کے زمانہ میں پورا انتظام مرکز کے تحت آجائے گا ۔
ب ۔ بحریہ بالکلیہ مرکز کے تحت ہوگا ۔ الا ان مراعات کے جن کی
ساحلی مملکتوں کو ضرورت ہو ۔

وفاقی مالیہ

وفاقی مالیہ ابواب مفوضہ کی آمدنی پر مشتمل ہوگا جس کا ایک جزو
مملکتوں کی افواج کو دیا جائے گا جنگ کے زمانہ میں وفاقی وحدتیں چندہ
دیں گی ۔

اقلیتوں کے تحفظات

دستور میں اقلیتوں کے لئے حسب ذیل تحفظات رکھے جائیں گے ۔

(الف) مجالس مقننہ میں نمائندگی

(۱) جملہ اقلیتوں کو خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان یا کوئی اور یہ اختیار
تمیزی حاصل رہے گا کہ وہ مجالس مقننہ میں اپنے رائے دہندگان کے ذریعہ
منتخب ہوں ۔

(۲) ہر وفاقی مملکت یا وحدت ۷۲ میں جو کوئی اقلیت ہو خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان اس کو مجلس مقننہ میں ایک ثلث نشستیں عطا کی جائیں گی۔

(۳) اس امر کے مدنظر کہ ہندوستان کی مدافعت میں مسلمانوں کا بہت بڑا حصہ ہے اور مدافعت مرکز کا خاص وظیفہ ہے، مرکزی مقننہ میں مسلمانوں کو ان کی اہمیت کے تناسب نصف نشستیں دی جائیں گی اور مسلم اراکین وفاقی مملکتوں کی مجالس مقننہ کے مسلم ارکان کی جانب سے منتخب ہوں گے۔

(ب) قانون سازی

(۱) وفاقی مملکتوں کی ہندو یا مسلم اقلیتوں کے مذہب شخصی قانون اور تہذیب سے متعلق امور ہندو یا مسلم ارکان مقننہ کی ایک خاص مجلس کے زیر اقتدار ہوں گے اس مجلس کے فیصلے مقننہ کے لئے قابل قبول ہوں گے اگر ان فیصلوں سے دوسری اقوام کا مفاد متاثر ہوتا ہو تو نظم و نسق کا اعلی عہدہ دار ان کو مجلس مقننہ میں تبصرہ کے لئے پیش کرے گا لیکن کوئی ایسی ترمیم کی اجازت نہ ہوگی جو مجوزہ قانون کی اساس پر اثر انداز ہو۔

(۲) اگر کسی خاص مقصد کے لئے مسلمان یا ہندو اپنے پر کوئی ٹکس عائد کرنا چاہیں تو ضروری قانون پاس کرنے کی اجازت ہوگی۔

(ج) عاملہ

(۱) ہر مملکت کا عاملہ اکثریتی جماعت سے ترتیب نہیں دیا جائے گا بلکہ مخلوط نوعیت کا ہوگا یعنے جس میں ہندو اور مسلمان شریک رہیں گے۔ اس عاملہ کی پالیسی ہر دو فریق کے لئے قابل قبول ہوگی اور یہ عاملہ مقننہ کی

تحریک پر علیحدہ نہیں ہو سکے گا۔ کابینہ کا صدر مقننہ کے نزدیک ذمہ دار ہوگا
اور انتظامی کارکردگی کی خاطر اس کو اختیار ہوگا کہ وہ مقننہ کے باہر سے
بھی ایسے لوگوں کو جو قابل ہوں مگر انتخابی مہم میں حصہ نہ لینا چاہتے ہوں
وزارت کے لئے منتخب کرے۔ ایسے ارکان مقننہ کے ارکان بحیثیت عہدہ
ہوں گے۔ جملہ ارکان مقننہ کا انتخاب ایک ایسی فہرست سے کیا جائے گا
جو ہندو یا مسلم اقلیت کے قائد پیش کریں گے اور جس میں ارکان مقننہ کے
علاوہ بیرونی اشخاص کے نام بھی درج رہیں گے۔

(۴) قانون، امن عامہ اور تعلیم کے سر رشتوں میں جن میں تہذیبی اختلافات
پیدا ہوتے رہتے ہیں وزیر کے ساتھ ایک نائب وزیر بھی ہوگا اور دونوں
میں سے کوئی ایک عہدہ مسلمان یا ہندو کو دیا جائے گا۔

(ج) خدمات

جہاں ہندو یا مسلمان اقلیت میں ہوں وہاں اس اقلیت کا کم از کم
ایک شخص پبلک سروس کمیشن کا رکن ہوگا جس کا فرض ہوگا کہ یہ دیکھتا
رہے کہ خدمات میں اس فرقے کے تناسب کو برقرار رکھا گیا ہے کہ نہیں۔

(د) مجالس تعلیم و اصلاح معاش

ہندو اور مسلم اقلیتوں کی عام تعلیم، فنی اور صنعتی تربیت اور معاشی و سماجی
اصلاح کے لئے مجالس مقرر کی جائیں گی اور اس کے لئے موازنہ میں رقم
فراہم کی جائے گی۔ یہ انتظام دوسری اقلیتوں، مثلاً پست اقوام، عیسائی،
پارسی اور سکھوں کے لئے بھی کیا جائے گا۔

خود اختیاری نقل مقام

دستور کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے باہمی تبادلہ آبادی میں خواہ وہ مملکتوں کے مابین ہو یا ایک ہی مملکت کے حصوں کے مابین سہولتیں پیدا کرے اس کے لئے ہر مملکت قانون پاس کریگی اور نقل مقام کے انتظام اور تشخیص معاوضہ کے لئے ایک محکمہ قائم کریگی۔

(۴) حلقہ واری وفاق کی اسکیم

یہ اسکیم سر سکندر حیات خاں وزیر اعظم پنجاب نے پیش کی ہے اور دراصل حکومت ہند کے مجوزہ وفاق کی ترمیم ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ وفاق کی نسبت مسلمانوں اور والیان ریاست میں جو شبہات پیدا ہو گئے ہیں ان کو دور کیا جائے۔ چنانچہ موصوف کی تجویز ہے کہ برطانوی اور دیسی ریاستوں کو دو مختلف اجزا کی حیثیت سے نہیں بلکہ حلقہ واری بنیاد پر وفاق میں شریک ہونا چاہئے اس غرض سے انہوں نے ہندوستان کو مختلف متجانس حلقوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر حلقہ میں برطانوی ہند کے صوبوں اور دیسی ریاستوں کو جو ان کے اندر واقع ہیں جمع کر دیا ہے۔

اس اسکیم میں حلقہ واری بنیاد پر ایک کل ہند وفاق کے قیام کے لئے ہندوستان کو حسب ذیل حلقوں میں تقسیم کیا گیا ہے:۔

حلقہ نمبر (۱) آسام۔ بنگال۔ (باستثنائے مغربی اضلاع بنگال جس کا مقصد اس حلقہ کو دوسرے حلقوں کے مساوی بنانا ہے) ریاستہائے بنگال و سکھم۔

حلقہ نمبر (۲) بہار، اڑیسہ و متروکہ حصہ ہائے بنگال۔

حلقہ نمبر (۳) صوبجات متحدہ اور ریاستہائے صوبجات متحدہ

حلقہ نمبر (۴) مدارس، ٹراونکور اور ریاستہائے مدراس اور کورگ

حلقہ نمبر (۵) بمبئی، مغربی ہند کی ریاستیں بمبئی کی ریاستیں۔ حیدرآباد، میسور اور صوبۂ متوسط کی ریاستیں۔

حلقہ نمبر (۶) ریاستہائے راجپوتانہ (باستثنائے بیکانیر و جیسلمیر۔ گوالیار) وسط ہند کی ریاستیں۔ بہار، اڑیسہ کی ریاستیں صوبۂ متوسط و برار

حلقہ نمبر (۷) پنجاب۔ سندھ۔ صوبۂ سرحد۔ کشمیر اور جیسلمیر۔

نظام حکومت

حلقہ واری مقننہ ہر وحدت کی مقننہ کے علاوہ جس کو جملہ صوبہ واری امور میں قانون سازی کا کامل اختیار حاصل ہوگا۔ ہر حلقہ کی ایک حلقہ واری مقننہ ہوگی جس میں برطانوی ہند کی وحدتوں اور دیسی ریاستوں کے نمائندے شریک ہوں گے۔

برطانوی ہند کے نمائندے صوبہ واری مقننہ سے منتخب ہوں گے اور دیسی ریاستوں سے نمائندوں کا انتخاب حسب ذیل طریقہ سے ہوگا۔

(۱) پہلے دس سال میں والیان ریاست ۳/۴ تعداد خود نامزد کریں گے اور ۱/۴ ریاستی مقننہ کی پیش کردہ فہرست سے منتخب کرینگے۔

(۲) دوسرے پانچ سال میں ۲/۳ نامزد کیے جائیں گے اور ۱/۳ منتخب ہوں گے۔

(۳) پندرہ سال بعد ۱/۲ نامزد کئے جائیں گے اور ۱/۲ منتخب کئے جائیں گے۔

(۴) بیس سال کے بعد ۱/۳ نامزد کئے جائیں گے اور ۲/۳ منتخب ہوں گے

حلقہ واری ابواب حلقہ واری مقننہ میں ہر حلقہ کے مشترکہ امور پیش ہوں گے جو حلقہ واری فہرست میں درج رہیں گے۔ لیکن دو یا دو سے زیادہ وحدتوں کی استدعا پر ایسے امور میں بھی قانون پاس ہو سکیں گے جو صوبہ واری فہرست سے تعلق رکھتے ہوں۔ حلقہ واری مقننہ میں کوئی قانون اس وقت تک پاس نہیں ہوگا جب تک ۲/۳ کی اکثریت اس کو منظور نہ کرے۔

وفاقی مقننہ حلقہ واری مجالس مقننہ کے نمائندوں سے مرکزی وفاقی مقننہ ترتیب دی جائے گی جنکی مجموعی تعداد (۳۷۵) ہوگی ان کے منجملہ (۲۵۰) برطانوی ہند کے نمائندے ہوں گے اور (۱۲۵) دیسی ریاستوں کے۔ مرکزی مقننہ کی ایک ثلث نشستیں مسلمانوں کے لئے محفوظ ہوں گی۔ ۱۰ اقلیتوں کو وہی حصہ ملیگا جو دستور ہند بابتہ ۳۵ء میں تجویز کیا گیا۔

وفاقی ابواب دفاع۔ امور خارجہ۔ رسل و رسائل۔ ریلوے کروڑ گیری سکہ اور کرنسی وفاقی ابواب ہوں گے مگر حلقہ واری مجالس مقننہ کی تحریک پر وفاقی مجلس ایسے امور کی نسبت بھی قانون منظور کر سکیگی جو حلقہ واری اور صوبہ واری فہرست میں درج ہوں لیکن یہ تحریک اسوقت تک قابل قبول نہ ہوگی جب تک کہ (۷) کے منجملہ کم از کم (۴) حلقے اس کی تائید نہ کریں۔ اور جو قانون اس تحریک پر پاس کیا جائے گا وہ انہیں حلقوں میں نافذ ہوگا جنھوں نے اس کی خواہش کی ہو۔ الا یہ کہ ساتوں حلقے اس کو منظور کر لیں۔ اگر دو حلقے ایسے قانون کی مخالفت کریں تو وہ کالعدم قرار دیا جائے گا۔

وفاقی ابواب کے علاوہ بقیہ امور حلقوں اور صوبوں میں منقسم ہوں گے، غیر مصرحہ اختیارات صوبوں کو حاصل رہیں گے شبہ کی صورت میں وائسرائے کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

دفاع، امور خارجہ اور ریلوے کے لئے مشاورتی مجالس قائم کی جائیں گی جن میں ہر حلقہ کا ایک نمائندہ ہوگا۔

وفاقی عاملہ وفاقی عاملہ وائسرائے اور وزراء کی ایک کونسل پر مشتمل ہوگا جس کے ارکان کی تعداد بشمول وزیر اعظم کم از کم (۷) اور زیادہ سے زیادہ (۱۱) ہوگی وزیر اعظم اور ارکان کا تقرر وفاقی مقننہ کے ارکان میں سے وائسرائے کریگا مگر ارکان کا انتخاب وزیر اعظم کے مشورہ سے ہوگا۔

(الف) ہر حلقہ کا کم از کم ایک نمائندہ لیا جائے گا۔

(ب) وزراء کے منجملہ کم از کم ایک ثلث مسلمان ہوں گے۔

(ج) اگر جملہ تعداد (۹) ہو تو کم از کم (۲) اور (۹) سے زیادہ ہو تو کم از کم (۳) نمائندے ریاستوں کے ہوں گے۔

(د) دوسری اہم اقلیتوں کو نمائندگی عطا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

پہلے پندرہ یا بیس سال تک وائسرائے مقننہ کے باہر سے دو تہائی وزیر مقرر کر سکیں گے اور انہیں امور خارجہ اور دفاع کے قلمدان تفویض کریں گے۔

مجلس وزراء اور مقننہ کی میعاد پانچ سال ہوگی اگر کوئی وزیر اپنے حلقہ کی مقننہ کا اعتماد کھو دے تو اس کو خدمت سے ہٹا دیا جائے گا اور پوری وزارت وفاق کی تحریک عدم اعتماد پر برخاست ہو جائیگی لیکن بیرونی وزراء اس سے متاثر نہ ہوں گے۔

<u>تحفظات</u> موثر تحفظات حسب ذیل امور کے لئے عطا کئے جائیں گے۔

(الف) اقلیتوں کے جائز حقوق کی حفاظت کے لئے۔

(ب) برطانویوں کے خلاف نسلی امتیازات کے انسداد کیلئے۔

(ج) دیسی ریاستوں کے معاہدات یا دوسرے حقوق میں مداخلت کے انسداد کے لئے۔

(د) برطانوی ہند اور دیسی ریاستوں میں وفاقی عاملہ یا وفاقی حلقہ واری مقننہ کی مداخلت کے انسداد کے لئے۔

(۵) ہندوستان پر بیرونی حملہ کی مدافعت کے لئے۔
(۶) کسی وحدت یا حلقہ کے باشندوں کی باغیانہ جدوجہد کے انسداد کے لئے۔

(ز) اقلیتوں کے مذہبی اور تہذیبی حقوق کی حفاظت کیلئے۔ صوبہ جات میں اقلیتوں کے حقوق اور مفادات کی حفاظت کیلئے معقول اور موثر انتظام کیا جائے گا۔

فوج اسکیم جنوری ۱۹۳۷ء کو فوج کی جو ترکیب تھی وہی برقرار رہیگی تخفیف کی صورت میں فرقہ دارانہ تناسب کو برقرار رکھا جائے گا۔ لیکن جنگ کے زمانہ میں اس میں ترمیم ہو سکیگی۔

---

(۳) احدیۂ ہند کی اسکیم

یہ اسکیم ایک نامعلوم پنجابی صاحب نے اپنی کتاب "کانفیڈریسی آف انڈیا" یعنی "احدیۂ ہند" میں پیش کی ہے جس کو نواب صاحب ممدوٹ نے شائع کیا ہے۔

اس اسکیم میں حسب ذیل صوبجات اور دیسی ریاستوں کے پانچ وفاق تجویز کئے گئے ہیں:۔

۱۔ وفاق انڈستان جو حسب ذیل علاقوں پر مشتمل ہوگا۔
پنجاب (جس میں تعلقہ انبالہ ضلع کانگڑہ اور ضلع ہوشیارپور کے

تحصیلات اور گرڈھ شنکر شامل نہیں ہیں)۔ سندھ۔ صوبہ سرحد۔ کشمیر۔ بلوچستان۔ بھاولپور۔ امب۔ دیر سوات۔ چترال۔ خان پور۔ قلات۔ لاس بیلہ۔ کپور تھلہ۔ مالیر کوٹلہ۔

رقبہ (۳,۹۸,۸۳۸) مربع میل

جملہ آبادی (۳,۳۰,۰۰,۰۰۰) نفوس۔

مسلمان (۸۲) فی صد

۲۔ وفاق ہندوستان جس میں حسب ذیل صوبے داخل ہوں گے:-

صوبجات متحدہ۔ صوبجات متوسط۔ بہار بشمول بعض حصص بنگال۔ اڑیسہ۔ آسام۔ مدراس۔ بمبئی۔ دیسی ریاستیں باستثنائے ریاستہائے دکن و راجستان۔

رقبہ۔ (۷,۴۲,۱۷۳) مربع میل۔

جملہ آبادی۔ (۲۱,۶۰,۴۱,۵۴۱) نفوس۔

ہندو۔ (۸۳.۷۳) فیصد۔

مسلمان (۱۱) فیصد۔

۳۔ وفاق راجستان جس میں ریاستہائے راجپوتانہ و وسطی ہند شریک ہوں گے۔

رقبہ۔ (۱,۸۰,۹۵۶) مربع میل

آبادی (۱,۷۸,۸۸,۵۰۲) نفوس

ہندو (۸۶.۳۹) فیصد

مسلمان ([illegible]) فیصد

۴۔ وفاق دکن جس میں حیدرآباد، میسور اور بستر کی ریاستیں شامل ہوں گی۔

رقبہ ([illegible]) مربع میل

آبادی ([illegible]) نفوس

ہندو ([illegible]) فیصد

مسلمان ([illegible]) فیصد

۵۔ وفاق بنگال جس میں مشرقی بنگال کے مسلم رقبے نیز آسام کے اضلاع گوالپارہ، سلہٹ اور ریاستہائے تریپورہ وغیرہ داخل ہوں گے۔

رقبہ (۵۹،۶۶۴) مربع میل

آبادی (۳۱،۰۰،۰۰،۰۰) نفوس

مسلمان (۶۶٫۱) فیصد

ہندو (۳۳٫۹) فیصد

نظامِ حکومت

احدیہ: یہ پانچ وفاق ایک احدیہ میں مربوط ہوں گے، جس کا صدر وائسرائے ہوگا۔ احدیہ کی ایک مجلس ہوگی جو مختلف وفاقوں کے ارکان پر مشتمل ہوگی۔ ان ارکان کی تعداد ہر وفاق کے رقبہ، آبادی، معاشی حیثیت، موقع و محل اور احدیہ میں اس کی اہمیت کے لحاظ سے متعین ہوگی۔

وفاق | ہر وفاق کا ایک گورنر جنرل ہوگا جو احدی ابواب مثلاً امور خارجہ، مدافعت، مشترکہ ذرائع آب، نیز وفاق کے اندر موجود ہندی ریاستوں کے تعلق سے تاج کے فرائض اور ذمہ داریوں کی تکمیل کے لئے وائسرائے کے پاس ذمہ دار ہوگا۔

وحدتیں | ہر گورنر جنرل کے تحت متعلقہ وفاقی وحدتوں کا ایک ایک گورنر ہوگا جو اس وحدت کے نظم و نسق کا ذمہ دار ہوگا۔

احدی مالیہ | ہر وفاق احدیہ کے اخراجات کے لئے یا تو براہ راست رقوم ادا کرے گا۔ یا چند خاص ابواب کی آمدنی کا کچھ حصہ وقف کرے گا۔ کسی صورت میں شمال مغربی وفاق ہندی کی آمدنی احدیہ کے تفویض نہیں کرے گا۔

اقلیتیں | اقلیتوں کے تحفظ کی صورت یہ ہوگی کہ شمال میں ہندو اقلیت اور ایک ہندو راجہ کے تحت ریاست کشمیر جس میں مسلمان زیادہ آباد ہیں، جنوب میں مسلم اقلیت اور اعلیٰ حضرت حضور نظام کے تحت حیدرآباد کی اسلامی ریاست جس میں ہندو زیادہ آباد ہیں ایک دوسرے کے تحفظ کی ضامن ہوں گی۔

تبادلۂ آبادی | اس اسکیم کے لئے تبادلۂ آبادی کی ضرورت نہ ہوگی۔

---

(۴) سہ مملکتی اسکیم

یہ اسکیم علی گڑھ کے دو پروفیسر سید ظفر الحسن اور محمد افضل حسین قادری صاحبان نے پیش کی ہے۔ اس اسکیم میں ہندوستان کو حسبِ ذیل خود مختار اور آزاد مملکتوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) **پاکستان** ۔ پنجاب، صوبۂ سرحد، سندھ، بلوچستان، ریاستہائے کشمیر اور جموں، منڈی، چمبہ، سکیت، سمین، کپورتھلہ، مالیر کوٹلہ، چترال، دیر، قلات، لوہارو، کوہسار شملہ کی ریاستیں، ریاست بہاولپور وغیرہ شریک ہیں۔

مجموعی آبادی (۳,۹۲,۷۴,۲۴۴)

مسلمان (۲.۳۶,۹۷,۵۳۸)

مسلم آبادی (۶۰،۳) فیصد

(۲) **بنگال** (باستثنائے اضلاع ہوڑہ و مدناپور) بہار کا ضلع پورنیہ اور آسام کا ضلع سلہٹ ۔

مجموعی آبادی (۵,۲۵,۷۹,۳۳۲)

مسلمان (۳,۱۰,۱۸,۱۸۴)

مسلم آبادی (۵۷) فیصد

(۳) **ہندوستان** ۔ باستثنائے حیدر آباد، پاکستان، بنگال اور ان دیسی ریاستوں کے جو اس رقبہ میں واقع ہیں ۔۔

مجموعی آبادی (۲۱،۶۰،۰۰،۰۰۰)

مسلمان (۲،۰۹،۶۰،۰۰۰)

مسلم آبادی (۹٫۷) فیصد

(۴) حیدرآباد۔ بشمول حیدرآباد، برار اور علاقہ کرناٹک

مجموعی آبادی (۲،۹۰،۶۵،۰۹۸)

مسلمان (۲۱،۴۴،۰۱۰)

مسلم آبادی (۷٫۴) فیصد

(الف) دہلی بشمول دہلی، میرٹھ، روہلکھنڈ و علیگڈھ۔

مجموعی آبادی (۱،۲۶،۶۰،۰۰۰)

مسلمان (۳۵،۲۰،۰۰۰)

مسلم آبادی (۲۸) فیصد

(ب) مالابار۔ بشمول مالابار و علاقہ جات ملحقہ و جنوبی کنڑا

مجموعی آبادی (۴۹،۰۰،۰۰۰)

مسلمان (۱۴،۴۰،۰۰۰)

مسلم آبادی۔ (۲۷) فیصد

آزاد شہر۔ اس کے علاوہ ایسے شہر جن کی آبادی پچاس ہزار یا اس سے زیادہ نفوس پر مشتمل ہو "آزاد شہر" ہوں گے جن کو داخلی خودمختاری حاصل ہوگی ایسے شہروں میں مسلمانوں کی آبادی تقریباً (۱۳،۸۸،۶۹۸) ہوگی۔ دیہاتوں میں جو مسلمان بکھرے ہوئے ہیں

انہیں ترغیب دی جائے گی کہ وہ ایسے قصبوں میں جمع ہو جائیں جہاں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے۔

تین آزاد مملکتیں

پاکستان، بنگال اور ہندوستان تین خود مختار اور آزاد مملکتیں ہوں گی جو باہمی دادوستد کے اصول پر امن و جنگ کے لئے متحد ہوں گی، پاکستان اور بنگال مسلمانوں کیلئے اور ہندوستان ہندوؤں کے لئے قومی وطن متصور ہوں گے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کو ایک اقلیتی قوم تصور کیا جائے گا اور ایک مستند سیاسی ادارہ ان کی سرکاری نمائندگی کرے گا۔

ان مملکتوں کو علیحدہ علیحدہ طور پر حکومت برطانیہ اور نمائندہ تاج سے معاہدہ کرنے کا اختیار ہوگا۔

ان کے مابین یا ان کے اور حکومت برطانیہ کے مابین نزاعی امور کے تصفیہ کیلئے ایک مشترکہ عدالت ہوگی۔

اقلیتیں

اقلیتوں کو خواہ وہ مسلم ہوں کہ غیر مسلم (۱) بلحاظ آبادی نمائندگی (۲) جداگانہ انتخاب (۳) موثر تحفظات عطا کئے جائیں گے جن کی تینوں مملکتیں ضامن ہوں گی۔

حیدرآباد

اس اسکیم میں حیدرآباد کو خاص اہمیت دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ حیدرآباد برطانوی ہند سے معاہدات کی بنا پر خود مختار ریاست ہے۔ اس کو برار اور کرناٹک دے دیا جانا چاہیئے کرناٹک کی واپسی سے حیدرآباد کو سمندری ساحل مل جائیگا اور جنوبی ہند کے مسلمانوں کا مرکز ہوگا۔

مندرجہ بالا چار اسکیموں پر حسبِ ذیل عنوانات کے تحت غور کیا جا سکتا ہے۔

۱ - نوعیت

ان چار اسکیموں کے منجملہ تین اسکیمیں یعنے ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب کی تہذیبی منطقوں کی اسکیم، ایک پنجابی صاحب کی احدیۂ ہند کی اسکیم اور پروفیسر صاحبان علی گڑھ کی سہ ملکتی اسکیم، قومی وطن کی بنیاد پر ترتیب دی گئی ہیں۔ سر سکندر کی حلقہ واری وفاق کی اسکیم خاص وفاق پر مبنی ہے اس کا مقصد مسلم یا غیر مسلم حلقوں یا منطقوں کا قیام نہیں ہے۔

جملہ اسکیمیں کل ہند بنیاد پر مرتب کی گئی ہیں۔

۲ - منطقوں کا تعین

ہر اسکیم میں منطقوں یا حلقوں کا تعین مختلف طریقوں سے کیا گیا ہے

(۱) پنجابی احدیۂ ہند کی اسکیم میں جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ۔۔۔ صرف آبادی پیش نظر رہی ہے، چنانچہ اس لحاظ سے شمال مغربی اور بنگال

مشرقی منطقے جن کی مسلم آبادی علی الترتیب (۸۲ اور ۶۶،۱) بتائی گئی ہے درست معلوم ہوتے ہیں لیکن غیر مسلم رقبوں کو علی الحساب جمع کر دیا گیا ہے مثلاً ہند و منطقہ بمبئی سے لیکر آسام تک اور مدراس سے لیکر صوبہ جات متحدہ تک پھیلا ہوا ہے اور (۳ ۷ ۱، ۲ ۴، ۷) مربع میل پر حاوی ہے۔

(۲) سر سکندر حیات کی حلقہ واری وفاق کی اسکیم کے حلقہ جات کا کوئی اصول سمجھ میں نہ آسکا۔ اس میں ایک طرف حیدر آباد کو احاطہ بمبئی اور بمبئی وصوبہ جات متوسط کی دیسی ریاستوں سے ملا دیا گیا ہے۔ جس کے ساتھ اس کو کوئی مناسبت نہیں دوسری طرف برار کو جو حیدر آباد سے ملحق ہے اور جس پر حیدر آباد کو اقتدار حاصل ہے۔ راجپوتانہ کی ریاستوں اور بہار اور اڑیسہ کی دیسی ریاستوں سے ملا دیا گیا ہے۔

(۳) علی گڑھ کی سہ مملکتی اسکیم میں بھی آبادی پیش نظر رہی ہے۔ اس اسکیم میں مسلمانوں کے لئے جو شمال مغربی منطقہ تجویز کیا گیا ہے اس میں ہندو اور سکھ رقبہ جات کو بھی گھیر لیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے اس منطقہ کی مسلم آبادی اس قدر گھٹ گئی ہے کہ وہ معقول اکثریت نہیں کہلائی جا سکتی۔ اسی طرح شمال مشرقی منطقہ میں بہار کے ضلع پورنیہ کو داخل کر لیا گیا ہے جس کی وجہ سے یہاں کے مسلمانوں کا فیصد بھی گھٹ گیا ہے۔

(۴) ڈاکٹر لطیف صاحب کی تہذیبی منطقوں کی اسکیم میں تقسیم کی بنیاد تہذیب قرار دی گئی ہے جو ایک قابل فہم اور معقول بنیاد ہے۔ ہر منطقہ کے تعین کے لئے جو دلائل پیش کئے گئے ہیں وہ مستحکم ہیں لیکن ڈاکٹر صاحب

نے شمال مغربی اور شمال مشرقی منطقوں کے رقبہ، آبادی اور مسلمانوں کے فیصد کی صراحت نہیں کی ہے جس کی وجہ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ رقبوں کی وسعت کہاں تک درست ہے۔

بہر حال منطقوں کا تعین کوئی اہم معاملہ نہیں ہے اس کو ڈاکٹر لطیف صاحب کی تجویز کے مطابق ایک شاہی کمیشن بہ آسانی طے کر سکتا ہے۔

(۳) نظامِ حکومت

سوائے سہ مملکتی اسکیم کے باقی تینوں اسکیموں میں جملہ وحدتوں کو احدیۂ وفاق میں مربوط کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ان چاروں اسکیموں میں سے کس اسکیم کا نظام ایسا ہے جو بحالاتِ موجودہ ہندو اور مسلمانوں کے لئے قابلِ قبول ہو سکتا ہے۔

(۱) سب سے پہلے احدیۂ ہند کی اسکیم کو لیجئے، احدیۂ ہند کی اسکیم میں پانچ وفاق تجویز کئے گئے ہیں جو مختلف وحدتوں پر مشتمل ہیں۔ ہر وحدت کے لئے ایک گورنر اور ہر وفاق کے لئے گورنر جنرل اور پانچ گورنر جنرلوں پر ایک وائسرائے مقرر کیا گیا ہے۔ گورنر کو گورنر جنرل کے پاس اور گورنر جنرل کو وائسرائے کے پاس وفاقی ابواب اور دیسی ریاستوں کی ذمہ داریوں کی تکمیل کے لئے جواب دہ قرار دیا گیا ہے۔ احدی اختیارات وائسرائے کے تفویض کئے گئے ہیں۔ وفاقی نمائندوں کی ایک احدی مجلس تجویز کی گئی ہے مگر یہ نہیں بتایا گیا کہ اس مجلس کی نوعیت کیا ہوگی۔

اور اس میں وائسرائے کی حیثیت کیا ہوگی۔
یہ سوال حل طلب ہے کہ کیا ایسا نظام حکومت جس میں سب کچھ
گورنر، گورنر جنرل اور وائسرائے ہوں ہندوستانیوں کو اپیل کر سکتا ہے

(۲) حلقہ واری وفاق کی اسکیم دستور ہند ۱۹۳۵ء کے نقائص
کو بڑی حد تک دور کرتی ہے۔ اس میں مرکز کو اقل ترین ابواب تک
گھٹا کر اس کے اختیارات کو حلقوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے جو برطانوی
ہند اور دیسی ریاستوں کی وحدتوں پر مشتمل ہونگے لیکن اس سے آزادی
کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ وفاقی اقتدار کو وائسرائے اور ایک مجلس وزراء
کے تفویض کیا گیا ہے جس کے صدر اور ارکان کا انتخاب وفاقی مقننہ کے
ارکان سے وائسرائے کریں گے۔ اس کے ساتھ وائسرائے کو یہ اختیار بھی
دیا گیا ہے کہ پہلے (۲۰) سال تک مقننہ کے باہر سے دو وزراء کا تقرر
کریں جن کے سپرد امور خارجہ اور دفاع کے قلمدان ہوں گے اور یہ جو وفاقی
مقننہ کی تحریک عدم اعتماد سے متاثر نہ ہوں گے۔ نیز یہ بھی بتایا گیا ہے
کہ اگر وفاقی حلقہ واری اور وحدتی مقننہ کے درمیان ابواب کی کوئی
نزاع ہو تو وائسرائے کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

موجودہ حالات میں جب کہ ۱۹۳۵ء کی وفاقی اسکیم کو ملک کے
اہم طبقوں نے یا کلیۃً علیحدہ یا مسترد کر دیا ہو اس کی توقع نہیں کہ اس کی اصلاح
یا ضمنی صورت انہیں مطمئن کر سکے گی۔

(۳) علی گڑھ کی اسکیم میں تین آزاد مملکتوں کے قیام اور مشترکہ ابواب

مثلاً دفاع، امور خارجہ وغیرہ کے انتظام کے لئے ان تینوں مملکتوں کے
درمیان اشتراک عمل کی تجویز ایک اچھا حل پیش کرتی ہے۔ لیکن فاضل
مجوزین نے اس کو ایک عام خاکہ کی صورت میں پیش کیا ہے جس کی پوری
تفصیلات معلوم کئے بغیر کوئی قطعی رائے کا اظہار دشوار ہے۔

(۳) تہذیبی علاقوں کی اسکیم میں قومی وطن کے نصب العین کو پیش نظر رکھ کر عبوری
دور کا جو دستور تجویز کیا گیا ہے اس میں ہندوستان کے صوبہ جات اور
دیسی ریاستوں کو ایک احدیہ میں مربوط کیا گیا ہے جس کی وحدتیں خود مختار
اور با اقتدار ہوں گی۔ اور جہاں ایسی ایک سے زیادہ وحدتیں تہذیبی
مناسبت رکھتی ہوں وہ ایک وفاق میں جمع ہو کر آزاد مملکت کی شکل اختیار
کریں گی۔ مرکزی ابواب کو اقل ترین درجہ تک گھٹا دیا گیا ہے تاکہ ان
وحدتوں یا مملکتوں کو زیادہ سے زیادہ آزادی حاصل رہے۔ اس اسکیم
کی نسبت جو مملکتی اسکیم سے زیادہ واضح ہے۔ ڈاکٹر راجندر پرشاد نے اپنی کتاب
پاکستان میں رائے ظاہر کی ہے کہ "اس اسکیم پر کوئی سمجھوتہ ممکنات سے ہے"۔

(۴) اقلیتیں

ہندوستان کا اصل مسئلہ اقلیتوں کا مسئلہ ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ اسکیمیں
اقلیتوں کے مسئلہ کو کس حد تک حل کرتی ہیں۔

(۱) احدیۂ ہند کی اسکیم میں سوائے مسلمانوں کے دوسری اقلیتوں
کو نظر انداز کر دیا گیا ہے، اور خود مسلم اقلیتوں کے متعلق یہ تجویز کی گئی ہے

کہ مسلم رقبوں کی غیر مسلم اقلیتیں، غیر مسلم رقبوں کی مسلم اقلیتوں کے لیئے ضمانت کا کام دیں گی۔ ظاہر ہے کہ یہ تجویز ناقابل عمل ہے۔

(۲) حلقہ واری وفاقی اسکیم میں اقلیتوں کو موثر تحفظات عطا کرنے کی تجویز کی گئی ہے۔ مگر یہ نہیں بتایا گیا کہ ان تحفظات کی صورت کیا ہوگی اور ان کی پابندی کی ضمانت کیا ہوگی۔ البتہ مسلمانوں کو مرکزی مقننہ اور وفاقی عاملہ میں ایک ثلث نشستیں عطا کرنے کی تجویز کی گئی ہے۔

(۳) سہ مملکتی اسکیم میں اقلیتوں کے لیئے تحفظات تجویز کیئے گئے ہیں اور تینوں مملکتوں کو ان کا ضامن قرار دیا گیا ہے علاوہ ازیں ہندو مملکت میں مسلمانوں کے لیئے ایک مستند سیاسی ادارہ کی نمائندگی کی تجویز کی گئی ہے۔ مگر یہاں بھی یہ نہیں بتایا گیا کہ ضمانت کی صورت کیا ہوگی اور اس کو کون نافذ کرے گا۔ تاہم اسکیم کے لحاظ سے اقلیتوں کے تحفظات کی غالباً اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔

(۴) تہذیبی منطقوں کی اسکیم میں اقلیتوں کے مسئلہ کو تبادلۂ آبادی کے ذریعہ حل کیا گیا ہے اور حقیقت میں اقلیتوں کے مسئلہ کا یہی ایک حل ہے، ورنہ اقلیتوں کے لیئے فریق ثانی کی نیک نیتی یا ذاتی قوت یا تیسری ایجنسی پر اعتماد کیئے بغیر چارہ نہیں۔ فاضل مجوز نے ترکی اور یونان کی مثال دے کر اور قومی وطن کے فوائد بیان کرکے تبادلۂ آبادی پر زور دیا ہے۔ لیکن جب تک قومی غیرت اور حریت کا شعور سہل انگاری اور

ارضی اُس پر غالب نہ آجائے تبادلۂ آبادی کا نظریہ عملی جامہ نہیں پہن سکتا۔ چنانچہ مجوّز نے اس کو محسوس کر کے عبوری دور کا ایک دستور تجویز کیا ہے، جس میں جملہ اقلیتوں کے لئے معین تحفظات رکھے گئے ہیں۔ مثلاً جداگانہ طریقۂ انتخاب، بلحاظِ اہمیت نمائندگی، مذہب، شخصی قانون اور تہذیب سے متعلق امور میں مراعات۔ سررشتہ جات عدالت اور پولیس و تعلیم عہدہ دار کا تقرر۔ پبلک سروس کمیشن میں نمائندگی۔ معاشی، سماجی اور تعلیمی ترقی کے لئے مجالس کا قیام وغیرہ جو اطمینان بخش کہے جاسکتے ہیں۔

۴۔ دیسی ریاستیں

دیسی ریاستوں کا جملہ اسکیموں میں لحاظ رکھا گیا ہے۔

(۱) احدیۂ ہند کی اسکیم میں گورنر کو گورنر جنرل کے پاس اور گورنر جنرل کو وائسرائے کے پاس ریاستوں سے متعلق فرائض اور ذمہ داریوں کی تکمیل کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس اسکیم میں دیسی ریاستوں کی موجودہ سیاسی حیثیت برقرار رہے گی اور کوئی ترقی نہیں کریگی۔

(۲) حلقہ واری وفاق کی اسکیم میں دستور ہند بابتہ ۱۹۳۵ء کی طرح ریاستوں کو حلقہ واری اور وفاقی مجالس مقننہ میں نمائندگی اور نیز وفاقی عاملہ میں دو یا تین ارکان کی نشستیں دی گئی ہیں مگر اس میں بھی اُن کے موجودہ سیاسی پوزیشن میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا ہے۔

(۳) سہ مملکتی اسکیم میں صرف حیدرآباد کے لئے سفارش کی گئی ہے

کہ اس کو علاقہ جات برار و کرناٹک واپس دے کر آزاد مملکت قرار دیا جائے
دوسری ریاستوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

(۴) صرف تہذیبی منطقوں کی اسکیم میں نہ صرف حیدرآباد بلکہ دیگر
مسلم ریاستوں کی آزادی کے تحفظ کیلئے تحریک کی گئی ہے۔ حیدرآباد کو حیدرآباد
کی خاطر نہیں بلکہ برطانوی ہند کے مسلمانوں کی خاطر مسلمانوں کا
جنوبی منطقہ قرار دینے کی تجویز کی گئی ہے اور اس کی تائید میں قوی
دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ جمہوری دستور میں تمام دیسی ریاستوں کا خواہ
وہ ہندو ہو یا مسلم بطور خاص خیال رکھا گیا ہے۔

باب سوم

"قرار داد لاہور اور اس کے مضمرات"

متذکرۂ بالا اسکیموں کی روشنی میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس بابتہ سنہ ۱۹۴۰ء میں جو قرارداد منظور کی گئی وہ حسب ذیل ہے :-

(۱) "کل ہند مسلم لیگ کا یہ اجلاس ہندوستان کے دستوری مسئلے کے متعلق لیگ کونسل اور مجلس عاملہ لیگ کے اس اقدام کی توثیق کرتے ہوئے جس کی صراحت مجالس متذکرہ کی ۲۷ر اگست ۱۷ و ۱۸ر ستمبر اور ۲۲ر اکتوبر سنہ ۱۹۳۹ء اور ۳ر فروری سنہ ۱۹۴۰ء کی قراردادوں میں کی گئی ہے اس امر کا پُرزور اعادہ کرتا ہے کہ قانون حکومت ہند بابتہ سنہ ۱۹۳۵ء میں جو وفاقی اسکیم تجویز کی گئی ہے وہ اس ملک کے مخصوص حالات کے لحاظ سے بالکل ناموزوں اور ناقابل عمل اور مسلمانان ہند کے لئے ناقابل قبول ہے۔

۵

(۲) اگرچہ ملک معظم کی حکومت کی جانب سے وائسرائے بہادر کا ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۹ء کا اعلان اس حد تک اطمینان بخش ہے کہ جس پالیسی اور خاکہ پر قانون حکومت ہند بابتہ ۱۹۳۵ء مبنی ہے اس کی نظر ثانی ہندوستان کی مختلف جماعتوں فرقوں اور مفادات سے مشاورت کے بعد کی جائے گی۔ تاہم یہ اجلاس یہ واضح کر دینا چاہتا ہے کہ مسلمانان ہند اس وقت تک مطمئن نہ ہوں گے جب تک کہ پورے دستوری خاکہ پر از سر نو غور نہ کیا جائے اور کوئی ترمیمہ خاکہ اس وقت تک قابل قبول نہ ہوگا جب تک کہ وہ مسلمانوں کی رضامندی اور منظوری سے ترتیب نہ دیا جائے۔

(۳) طے پایا کہ کل ہند مسلم لیگ کے اجلاس کی یہ غور کردہ رائے ہے کہ کوئی دستوری خاکہ اس ملک میں قابل عمل یا مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہ ہوگا جب تک کہ وہ حسب ذیل اساسی اصول پر مبنی نہو۔

(الف) جغرافیائی حیثیت سے ملحقہ وحدتوں کے ایسے حلقے بنائے جائیں کہ ضروری علاقہ واری ترمیم و تبدیل کے بعد ان حلقوں کے جن رقبوں میں مسلمانوں کو تعدادی اکثریت حاصل ہے (جیسا کہ شمال مغربی اور شمال مشرقی حلقوں میں) انہیں یکجا کر کے آزاد مملکتیں (Independent States.) قائم کی جائیں

اور ان کی ترکیبی وحدتیں خود مختار (Autonomous.) اور با اقتدار (Sovereign.) ہوں۔

"(ب) نیز یہ کہ ان وحدتوں اور حلقوں میں جو اقلیتیں آباد ہیں ان کے مذہبی، تہذیبی، معاشی، سیاسی، انتظامی، اور دیگر حقوق اور مفادات کی حفاظت کے لئے انہیں کے مشورہ سے دستور میں کافی موثر اور آئینی (Mandatory.) تحفظات بطور خاص درج کئے جائیں اور اسی طرح ہندوستان کے دوسرے حصوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں مسلمانوں کے نیز دوسری اقلیتوں کے مذہبی، تہذیبی، معاشی سیاسی، انتظامی اور دیگر حقوق اور مفادات کی حفاظت کے لئے انہیں کے مشورہ سے کافی موثر اور آئینی تحفظات دستور میں خصوصیت کے ساتھ درج کئے جائیں۔

(۴") آخر میں یہ اجلاس مجلس عاملہ کو مجاز گردانتا ہے کہ ان اساسی اصول کے مطابق ایک دستوری اسکیم مرتب کرے جس میں اس کا لحاظ رکھا جائے کہ دفاع، امور خارجہ، رسل و رسائل جنگی اور دیگر امور کے اختیارات آخر کار مختلف حلقوں کو حاصل ہوں۔"

خلاصہ ۱۹۳۵ء

(۱) اس قرارداد کے پہلے فقرہ میں دستور ہند کو ملک کے حالات کے لحاظ سے ناموزوں اور مسلمانوں کے لئے ناقابل قبول قرار دیکر مسترد کیا گیا ہے۔

(۲) دوسرے میں حق حکومت خود اختیاری (Self determination.) کا بالواسطہ طور پر اثبات کیا گیا ہے۔

(۳) تیسرے فقرہ میں آئندہ دستور کے اساسی اصول بتلائے گئے ہیں۔

(۴) چوتھے فقرہ میں اُن اساسی اصول پر ایک دستوری اسکیم مرتب کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

توضیح پہلے اور دوسرے فقرے میں جو مطالبات درج ہیں ان کو وائسرائے اور وزیر ہند نے تسلیم کر لیا ہے۔

فقرہ (۳) اہم ہے اور اس قرارداد کی روح اور مسلمانان ہند کے مستقبل کی تعمیر کا سنگِ بنیاد ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

"کوئی دستوری خاکہ مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہیں ہوگا جب تک کہ وہ حسب ذیل اساسی اصول پر مبنی نہ ہو:۔

(الف) جن رقبوں میں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہے انہیں یکجا کر کے آزاد مسلم مملکتیں قائم کی جائیں جن کی ترکیبی وحدتیں خود مختار اور با اقتدار ہوں۔

(ب) غیر مسلم رقبہ میں مسلم اقلیتوں کے لئے اور مسلم رقبوں میں غیر مسلم اقلیتوں کیلئے کافی موثر اور آہنی تحفظات دستور میں درج کئے جائیں۔"

(الف) میں آزاد مملکتوں کے قیام کا جو مطالبہ کیا گیا ہے اُس کی تہ میں یہ اصول کار فرما ہے کہ ہندوستان کو چند خود مختار اور آزاد مملکتوں

میں تقسیم کر کے یہاں کی بڑی قوموں کے لئے جداگانہ قومی وطن فراہم کئے جائیں۔ مگر آزاد مملکتوں کے قیام کے لئے جو شرط اس فقرہ میں درج کی گئی ہے اس کے لحاظ سے اس اصول کا اطلاق جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے صرف شمال مغربی اور شمال مشرقی منطقوں پر ہوتا ہے۔ بقیہ ہندوستان کے مسلمانوں کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(ب) میں بقیہ ہندوستان کے مسلمانوں کیلئے تحفظات تجویز کئے گئے ہیں سوال یہ ہے کہ کیا تحفظات ان مسلمانوں کو جن کی تعداد تین کروڑ ہے مطمئن کر سکتے ہیں۔ کانگریسی دورِ حکومت میں تحفظات کا جو حشر ہوا اس کی نسبت قائد اعظم مسٹر جناح نے اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا تھا کہ :-

"میں کبھی یقین نہیں کر سکتا تھا کہ کانگریس اور حکومت میں اس حد تک سمجھوتہ ہو جائے گا کہ ہماری مسلسل چیخ پکار کے باوجود گورنر انجان ہو جائیں گے۔ اور گورنر جنرل اپنے کو لاچار محسوس کریں گے۔ ہم نے انہیں اپنے اور دوسری اقلیتوں سے متعلق خاص ذمہ داریاں یاد دلائیں اور وہ وعدے یاد دلائے جو ہم سے کئے گئے تھے لیکن تحفظات قصۂ پارینہ ہو چکے تھے۔"

لہٰذا اس تجربہ کی روشنی میں یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ ان تحفظات کی صورت کیا ہوگی۔ ان کو عملاً کس طرح نافذ کیا جائے گا۔ خلاف ورزی کی صورت میں ان کو کونسی قوت منوائے گی ان کے منوانے کا طریقہ کار کیا ہوگا مگر یہ ایسے سوالات ہیں کہ دستور کی ترتیب کے بعد ہی ان کا جواب مل سکے گا۔

بقیہ ہندوستان میں تین کروڑ مسلمان آباد ہیں یہ کوئی معمولی تعداد نہیں ہے۔ جب یورپ کی چھوٹی چھوٹی اقوام کو قومی وطن مل سکتے ہیں تو ہندوستان کے ان تین کروڑ مسلمانوں کا اس سے محروم رہنا مسلم لیگ کی توجہ کا محتاج ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اکھٹے نہیں ہیں لیکن کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ شمال اور جنوب میں ان کے لئے منطقے قائم کئے جائیں اور ان منطقوں میں انہیں بتدریج منتقل ہونے کی ترغیب دی جائے مسٹر جناح نے ایک موقع پر فرمایا ہے کہ آبادی کے مسئلہ پر جہاں تک وہ ممکن العمل ہے غور کیا جا سکتا ہے یہ تبادلہ ظاہر ہے کہ اختلاف آب وہوا اور دیگر امور کے مدنظر طویل مسافتوں پر مبنی نہیں ہو سکتا اس کو ممکن بنانے کے لئے قریبی منطقے قائم کرنا ہونگے ایسے دو منطقے شمال میں صوبہ جات متحدہ اور جنوب میں حیدر آباد میں تجویز کئے جا سکتے ہیں۔

پانچویں فقرہ میں مجلس عاملہ کو ایک دستور مرتب کرنے کا مجاز کیا گیا ہے اور یہ ہدایت کی گئی ہے کہ جو دستور مرتب ہو اس میں اس کی رعایت رکھی جائے کہ مختلف حلقوں کی آزاد مملکتوں کو دفاع و امور خارجہ وغیرہ کے اختیارات آخر کار عطا کئے جائیں "آخر کار" سے یہ مستخرج ہوتا ہے کہ ایک عبوری دور ایسا پیش نظر ہے جس میں یہ اختیارات کسی اور قوت کے ہاتھ میں رہیں گے، یہ قوت کون ہوگی؟ عبوری دور کی مدت کیا ہوگی؟ نوآبادیاتی مرتبہ ملنے کے بعد جب کہ یہ دستور نافذ ہوگا اس عبوری دور کی کیا ضرورت ہے؟ آزاد مملکتیں دفاع و امور خارجہ کے اختیارات ایک

کل ہند اسکیم میں رہ کر تنہا کیسے استعمال کر سکیں گی؟ ان آزاد مملکتوں کا باہمی ربط کیا ہوگا؟ یہ امور بھی صراحت طلب ہیں جو دستور مرتب ہونے کے بعد معلوم ہو سکیں گے۔

بہرحال یہ قرارداد قومی وطن کے مطالبہ کا ابتدائی نقش ہے اور اس میں ایک عام خاکہ پیش کیا گیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تفصیلات سے عمداً احتراز کیا گیا ہے کہ کہیں یہ ذہنی انتشار پیدا نہ کر دیں اور اصل تحریک کی توجہ کو ہٹا کر لا انتہا مباحث کا دروازہ نہ کھول دیں۔ یہ خیال صحیح ہے کہ اصل اصول کو منوا لینے کے بعد تفصیلات کا تصفیہ با سانی کیا جا سکتا ہے لیکن اگر مسلم لیگ قومی وطنوں کے قیام کے طریقے پر زور دینے کی بجائے اس اصول پر زور دے کہ ہندوستان کو قومی مملکتوں میں تقسیم کیا جائے اور (۹) کروڑ مسلمانوں کو جو کسی طرح اقلیت نہیں کہلائے جا سکتے قومی وطن دئے جائیں تو اس اصول کو تسلیم کرانے کے بعد یہ سوال کہ یہ قومی وطن کہاں کہاں ہوں خود بخود حل ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ شمال میں شمال مغربی اور شمال مشرقی منطقوں اور جنوب میں مملکت حیدرآباد کے علاوہ کہیں مسلمانوں کے لئے قومی وطن تجویز نہیں کئے جا سکتے اس لئے کہ شمال مغرب اور شمال مشرق میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور حیدرآباد نہ صرف چھ سو سال سے مسلمانوں کا مرکز ہے بلکہ جنوب میں سوائے اس مملکت کے کسی اور حصہ کو مسلمانوں کا قومی وطن قرار دینا جغرافیائی وجوہ کی بنا پر ناممکن ہے، یہ تو کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ مسلمانوں کو صرف شمال مشرقی اور شمال مغربی

منطقوں پر اکتفا کرنا چاہئے کیونکہ یہ منطقے (۹) کروڑ مسلمانوں کے لئے ناکافی ہیں اس طرح سے خود بخود مسلمانوں کو تین منطقے مل جائیں گے اور پاکستان کا منشا پورا ہو جائے گا۔ بحالت موجودہ مسلم لیگ کے قومی وطن کے مطالبہ پر اکثریتی رقبوں کی شرط عائد ہونے سے یہ مطالبہ شمال شرقی اور شمال مغربی منطقوں تک محدود ہو گیا ہے اور اس لحاظ سے قرارداد نظر ثانی کی محتاج ہے۔

مجلس خارجہ مسلم لیگ کی رپورٹ

ذیل میں لاہور کی قرارداد کے متعلق ....
.... آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس خارجہ کی رپورٹ درج کی جاتی ہے[1]
جس میں مجلس نے قرارداد کے مضمرات پر روشنی ڈالی ہے۔

مجلس کا کام

مجلس نے اپنے کام کی اس طرح صراحت کی ہے کہ:۔

(۱) قرارداد لاہور کے مجوزہ اصول کو عملی جامہ پہنانے کے طریقے دریافت کرنا۔

(۲) یہ معلوم کرنا کہ لیگ کی قرارداد کے حساب کو کس طرح غیر پرچلانوی ہند کے مسلمانوں پر حاوی کیا جا سکتا ہے۔

مجلس نے یہ محسوس کر کے کہ (۹) کروڑ مسلمانان ہند کا کوئی دستوری

---

[1] خلاصہ ماخوذ از اسٹیٹسمین دہلی مورخہ ۱۹ فروری ۱۹۴۱ء

خاکہ اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس میں دیسی ریاستوں کو شریک نہ کیا جائے۔ دیسی ریاستوں کو بھی شریک کر لیا ہے۔

شمال مغربی منطقہ

شمال مغربی منطقہ میں مجوزہ مسلم مملکت کی نسبت مجلس نے تحریر کیا ہے کہ اس اصول کا لحاظ کرتے کہ جو بھی مملکت قائم ہو وہ ایسے علاقوں پر مشتمل ہونی چاہئے جو ایک دوسرے سے متصل واقع ہوں نیز اس افسوس ناک حقیقت کے پیش نظر کہ اس رقبہ میں دیسی ریاستیں پھیلی ہوئی ہیں جن کو سوائے وفاق کے کسی اور طرح جذب نہیں کیا جا سکتا مجلس اس نتیجہ پر پہونچی ہے کہ موجودہ صوبہ سندھ۔ برطانوی بلوچستان۔ صوبہ سرحد اور پنجاب کو یکجا کر کے ایک وفاقی با اقتدار مملکت بنائی جائے اور شہر دہلی کو جو نہ صرف اس منطقہ سے نسلی اور تہذیبی مناسبت رکھتا ہے بلکہ مسلمانوں کی تاریخ سے طویل عرصہ تک وابستہ رہا ہے اس میں ضم کر لیا جائے۔ مجلس نے لکھا ہے کہ اس کے روبرو یہ تجویز پیش کی گئی کہ پنجاب کی مشرقی سرحد کو آگے بڑھا کر صوبہ متحدہ کا ایک حصہ اس میں شریک کر لیا جائے تاکہ علی گڑھ جو مسلم تہذیب کا سب سے بڑا مرکز ہے مسلمانوں کے اس بڑے منطقے میں داخل ہو جائے مگر اس کا حساب نہیں کیا جا سکا کہ اس عمل سے پنجاب کی مسلم آبادی کے فیصد پر کیا اثر پڑے گا۔

شمال مشرقی منطقہ

شمال مشرقی منطقہ کی آبادی (۳۲۲۳۶۰۱۳) بتائی گئی ہے جس کے منجملہ (۲۰۳۲۰۰۶۳) مسلمان ہیں گویا مسلمانوں کا فیصد (۶۲٫۷۵) ہے اس منطقہ کے متعلق مجلس نے رائے ظاہر کی ہے کہ اس میں موجودہ صوبہ جات آسام و بنگال (باستثنائے اضلاع بنکورہ و مدناپور) کے علاوہ بہار کا ضلع پورنیہ بھی شریک کرلیا جائے جس کی آبادی نسلی اور تہذیبی اعتبار سے بنگال کے مماثل ہے۔ اس لحاظ سے اس منطقہ کی آبادی حسب ذیل ہوگی:—

مسلمان (۳۰۸۷۶۴۳۱)

غیر مسلم (۲۶۱۳۴۵۲۵)

مسلمان فیصد (۵۴)

دو منطقوں کی مسلم آبادی

ان منطقوں کی مجموعی آبادی کے متعلق مجلس نے بیان کیا ہے کہ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے بموجب ہندوستان میں مسلمان (۳۲۸۱۰۹۳۶۳) کے منجملہ (۷۹۳۲۰۰۹) ہیں۔ کمیٹی کی اس اسکیم کے تحت صرف شمال مغربی اور شمال مشرقی دو منطقوں میں (۵۷۵۳۳۵۳۲) مسلمان محفوظ ہو جاتے ہیں جو جملہ مسلم آبادی کا (۷۲٫۵) فیصد ہے۔

دکن کا منطقہ

آگے چل کر مجلس نے ایک نئے منطقہ کی تجویز پیش کی ہے مجلس نے لکھا ہے کہ اگرچہ لاہور کی قرارداد میں برطانوی ہند کے مسلمانوں کی ضروریات کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ مگر مجلس یہ بتانا اپنا فرض سمجھتی ہے کہ مسلمانان ہند اور بقیہ مسلمانوں کے مفاد کیلئے یہ ضروری ہے کہ غیر برطانوی ہند میں جہاں جہاں مسلمانوں کا اثر غالب ہے وہاں اس کے تحفظ اور تواتر کی کوشش کی جائے، لہذا مجلس نے تجویز کی ہے کہ ایسی دیسی ریاستوں کو خواہ وہ بڑی ہوں یا چھوٹی جو مسلمان بادشاہوں کے زیر حکومت ہیں مسلمانوں کے دستوری خاکہ کے اغراض کے لئے با اقتدار مسلم مملکتیں قرار دیا جائے اور اس کو ایک بنیادی مطالبہ بنایا جائے۔

مملکت حیدرآباد کی خاص حیثیت!

ان مسلم مملکتوں میں حیدرآباد کی حیثیت خاص ہے اس کا علاقہ وسیع ہے اور یہ دیگر مسلم یا ہندو ریاستوں کی طرح جاگیری نوعیت کی یا حکومت برطانیہ کی تخلیق کردہ نہیں ہے۔ یہ اپنے فطری اور تاریخی حقوق کی بنا پر ایک آزاد مملکت ہے جس کے ساتھ حکومت برطانیہ نے باہمی منفعت کے لئے حلیف کی حیثیت سے معاہدے کئے ہیں اس مملکت کو ان علاقوں پر بھی اقتدار حاصل ہے جو حضور نظام کی بعض فوجی خدمات کے لئے بطور انعام یا جاگیر برطانیہ کو دئیے گئے ہیں۔ جب برطانوی ہند کو نو آبادیاتی

ذریعہ ملے تو حضور نظام کی سابقہ حیثیت عود کر آئے گی اور جملہ علاقہ جات معاوضہ جن کو غلط طور پر علاقہ جات مفوضہ کہا جاتا ہے واپس دیدیئے جائیں گے۔ چنانچہ حیدر آباد کے مسلمانوں نے اس کا مطالبہ کیا ہے، مجلس لکھتی ہے کہ:—

"مناسب ہوگا کہ مسلم لیگ حضور نظام کی توسیع یافتہ مملکت کی آزادی اور وقار کے تحفظ کو اپنی کوششوں کا ایک مقصد قرار دے کیونکہ یہ مملکت برطانوی ہند کے مسلمانوں کے لئے غیر محدود قوت کا سرچشمہ ثابت ہوگی ۔ . . . .
. . . اور آئندہ چل کر مسلمان اس مملکت کو مسلمانان ہند کی روز افزوں قوت کے لئے مفید پائیں گے اس طریقہ سے یہ ریاست مسلمانوں کے اثر کا تیسرا وسیع منطقہ ہوگی جو شمال مغربی اور شمال مشرقی منطقوں کے ساتھ ملکر، مسلمانان ہند کا ایک مثلث بنائے گی ۔

ریاستوں کے ساتھ وفاق

مجلس نے اس امکان کی بھی تحقیق کی کہ کیا دیسی ریاستوں کو جو مسلم منطقوں کے متصل واقع ہیں مشترکہ اغراض کے لئے مسلم منطقوں کے ساتھ وفاق کے ذریعہ متحد کیا جا سکتا ہے یہ دیسی ریاستیں دیر، سوات، چترال، قلات، لاس بیلا، خیرپور، مہرس، بہاولپور، کپورتھلہ، پٹیالہ، نابھہ، سکیت، فریدکوٹ، جیند، مالیرکوٹلہ، لوہارو، پٹودی، دجانہ، چمبہ، منڈی، خالصہ، ریاستہائے کوہ شملہ، سرمور، بیلاس پور

اور کشمیر ہیں اگر یہ ریاستیں وفاق میں شریک ہو جائیں تو پورے منطقہ کے مسلمانوں کا
فیصد (۵۸) ہوگا۔ مجلس نے لکھا ہے کہ بعض وجوہ کی بنا پر راجپوتانہ کی
ریاستہائے بیکانیر اور جیسلمیر کو بھی شریک کر لیا گیا ہے جس کے بعد مسلمانوں
کا فی صد (۵۵) ہو جاتا ہے۔

مشرقی مسلم منطقہ کے متعلق مجلس کا خیال ہے کہ ریاستہائے کوچ بہار
تری پورہ، مانی پور اور کوہ قاش کی ریاستوں کو وفاق میں شریک ہونے
کی ترغیب دی جائے جس کے بعد مسلمانوں کا فیصد (۵۳،۴) ہو جائے گا۔

اقلیتیں

مجلس نے مسلم منطقوں میں اقلیتوں پر مختلف سرخیوں مثلاً پست اقوام،
سکھ، عیسائی اور ہندوؤں کے تحت غور کیا ہے۔ اس تحلیل میں متذکرہ
صدر اقوام کو ہندوؤں سے الگ ایک اقلیت قرار دیا گیا ہے۔

مرکز

وفاق کے حوالہ سے مجلس نے لکھا ہے کہ لاہور کی قرار داد اس کی اجازت
نہیں دیتی کہ مجوزہ حلقہ واری مملکتیں تشکیل پاتے ہی دفاع، امور خارجہ اور
کروڑ گیری وغیرہ کے اختیارات استعمال کرنے لگیں۔ اس کے معنی یہ ہیں
کہ ایک عبوری دور ہوگا جس میں ایک ایسی ایجنسی جو سب کے لئے مشترکہ ہوگی
ان اختیارات کا استعمال کرے گی۔ مجلس نے لکھا ہے کہ اس قسم کی باہمی

اشتراک عمل کی ایجنسی ہر صورت میں ضروری ہوگی، کیونکہ قرارداد کے تیسرے اصول کے تحت ہندو اور مسلم ریاستوں کے مابین کوئی نظام کے بغیر اقلیتوں کے تحفظات کا موثر نفاذ ناممکن ہوگا۔

مرکز کی ترکیب اور اختیارات

مسلمان وفاق سے خوش نہیں ہیں کیونکہ انہیں خوف ہے کہ ہندو اپنی اکثری قوت سے مسلمانوں پر غالب آجائیں گے، لیکن چونکہ قرارداد کے شرائط کی تکمیل کے لئے کوئی نہ کوئی مشترکہ انتظام لازمی ہے اس لئے کوئی متفقہ فارمولا دریافت کرنے کی ضرورت ہے جس کے بموجب مسلمان مرکز میں غیر مسلموں کے ساتھ کامل مساوات کے ساتھ شریک ہوسکیں جملہ ابتدائی مملکتیں جو با اقتدار کہلائیں گی اور جملہ دیسی ریاستیں جن کو کامل اقتدار واپس مل جائے گا آزادی اور رضامندی کے ساتھ آپس میں معاہدہ کے ذریعہ یہ مشترکہ ایجنسی قائم کریں گی جو ان مملکتوں کی جانب سے ان مخصوص ابواب کی نگرانی کرے گی جو اس کے تفویض کئے جائیں گے اس ضمن میں اس امر کی صراحت بطور خاص کر دی جائیگی کہ

(الف) جملہ غیر مصرحہ اختیارات انفرادی مملکتوں کو حاصل رہیں گے۔

(ب) ابواب مفوضہ جہاں تک کہ ان کا تعلق مملکتوں سے ہے مملکتوں کے ماتحت ہوں گے۔

(ج) عاملہ اور دوسرے اداروں میں مسلمانوں کے لئے نصف

نشستیں محفوظ رہیں گی۔

مرکزی ابواب

جو ابواب مرکزی ادارہ کے تفویض کیئے جائیں گے وہ ......
امور خارجہ، دفاع، رسل و رسائل، چنگی، تحفظات اور خود اختیاری نقل مقام ہوں گے۔

دفاع - دفاع اور نقل مقام کا انتظام حسب ذیل شرائط کا تابع ہوگا۔

(الف) ہر مملکت اپنے صرفہ سے ایک فوج رکھے گی جس کی تعداد اور قوت کا انحصار مملکت کے محل وقوع کی اہمیت پر ہوگا جس کی صراحت معاہدہ میں کردی جائے گی، مرکز ہر مملکت کے فوجی اخراجات میں اسکی قوت کے لحاظ سے حصہ لے گا۔ عام زمانوں میں ہر مملکت کی فوج اس مملکت کے محکمۂ فوج کے زیر انتظام رہے گی اور مرکز صرف اس کی نگرانی کرے گا۔ لیکن جنگ کے زمانہ میں فوج کا پورا انتظام مرکزی ایجنسی کے تحت آجائے گا۔

(ب) بحریہ بالکلیہ مرکز کے تحت ہوگا، باستثنائے اُن مراعات کے جن کی ساحلی مملکتوں کو ضرورت ہو۔

خود اختیاری نقل مقام - مرکزی ادارہ کا ایک وظیفہ یہ ہوگا کہ وہ ہندو اور مسلمانوں کے باہمی نقل مقام میں جہاں جہاں ضرورت ہو سہولت پیدا کرے تاکہ ان میں حفاظت کا احساس ترقی پاسکے اس

غرض سے ہر مملکت میں ضروری قانون پاس کیا جائے گا اور نقل مقام کے انتظام اور متروکہ جائداد کے معاوضہ کے تعین کے لئے ایک محکمہ قایم کیا جائے گا۔

تحفظات

مسلمانوں کے منطقہ میں تحفظات کے مسئلہ کو مجلس نے نظر انداز کر دیا ہے کیونکہ مجلس کی رائے میں اس پر اسی وقت غور ہو سکتا ہے جب کہ مسلم لیگ کی مجلس عاملہ ابتدائی مملکتوں کی تشکیل اور اُن کے باہمی تعلق کی نسبت کوئی اصول طے کرلے۔

اختتام رپورٹ میں بتلایا گیا ہے کہ "مسلم لیگ کی مجلس عاملہ اس مجلس کے تجاویز کے خاکہ کو قبول کرلے تو اسکیم کی تائید میں دلائل پیش کئے جا سکتے ہیں"۔

یہ رپورٹ مجلس عاملہ مسلم لیگ کے زیر غور ہے۔

باب چہارم

اعتراضات اور اُن کے جوابات

قرار داد لاہور کی منظوری کے بعد گزشتہ ایک سال میں قومی وطن
کی تحریک نے ملک میں جو ردعمل پیدا کیا ہے وہ اس کی کامیابی کی
دلیل ہے۔ یہ ردعمل مختلف حلقوں میں مختلف نوعیت کا ہے، کانگریسیا
اور مہاسبھا اس تحریک کو مخالف قوم اور مخالف وطن تحریک سمجھتے ہیں
تو پست اقوام اور جنوبی ہند کی دراویڈی اقوام کے لئے اس میں راز نجات
پنہاں ہے۔ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ اس کو ہندو مسلم مسئلہ کا دائمی
حل تصور کرتا ہے تو ایک اقلیت ایسی بھی ہے جو اپنے ذاتی اغراض کے
لئے اس کی افادیت کے متعلق شکوک و شبہات پھیلا رہی ہے۔ ان
طبقوں سے ہٹ کر بعض اس کو ناقابل عمل سمجھتے ہیں اور بعض اس کو
سیاسی بخار سے موسوم کرتے ہیں۔ غرض ردعمل ہر جگہ موجود ہے جس

اس تحریک کی قوت کا اندازہ ہوتا ہے، ذیل میں ہم مختلف عنوانات کے تحت اس ردعمل کی اعتراضی صورتوں پر غور کریں گے۔

کانگریس اور مہاسبھا کے اعتراضات

کانگریس اور مہاسبھا کا یہ اعتراض کہ یہ تحریک مخالف قوم اور مخالف وطن تحریک ہے، اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ ہندوستان ایک جغرافیائی وحدت ہے اور اس میں ایک قوم آباد ہے، فی الحقیقت ہندوستان ایک جغرافیائی وحدت نہیں، بلکہ کئی وحدتوں کا مجموعہ ہے یہ ملک نہیں براعظم ہے۔ روس کو چھوڑ کر سارے یورپ کے برابر ہے۔ اس کا ایک گوشہ جس میں پنجاب، کشمیر، صوبہ سرحد، بلوچستان اور سندھ واقع ہیں، یورپ کے (۹) مختلف ممالک ہسپانیہ، سوئٹزرلینڈ، آسٹریا، البانیہ، چیکوسلواکیا، لیتھونیا، ہالینڈ، بلجیم اور آئرلینڈ کے مساوی ہے۔

ہندوستان وحدت نہیں

ہندوستان کی وحدت کا تصور دراصل ایک حکومت کے تصور پر مبنی ہے مسلمانوں کی آمد کے قبل ہندوستان کئی خودمختار راجدھانیوں میں منقسم تھا۔ سب سے پہلے مسلمانوں نے اپنے ہمہ گیر تسلط سے اس میں وحدت پیدا کی لیکن جب مغلیہ سلطنت کو زوال آیا تو یہ صورت باقی نہیں رہی، اور اب جب کہ حکومت برطانیہ اس کو آزادی عطا کر رہی ہے تو یہاں مختلف مملکتوں کے قیام کا سوال فطرتاً پیدا ہو گیا ہے۔

اول تو تقسیم کا لفظ جن معنوں میں استعمال کیا جا رہا ہے اس کا اطلاق
مسلمانوں کے مطالبہ پر نہیں ہوتا۔ جہاں کانگریس نے لسانی بنیاد پر
ہندوستان کو تقسیم کرنے کی تجویز کی تھی جو ایک فروعی بنیاد تھی وہاں
مسلمان تہذیبی اور ملکی بنیاد پر اس کے مختلف صوبہ جات کو تقسیم نہیں
بلکہ از سر نو ترتیب دینا چاہتے ہیں۔ تقسیم مرکزی اقتدار کی ہے نہ کہ
ملک کی۔

یورپ کی مثال

اس سے قطع نظر جب یورپ کے اسی قدر رقبہ
میں بیسیوں ممالک اور بیسیوں حکومتوں کا وجود
قابل اعتراض نہیں ہے تو سوال یہ ہے کہ ہندوستان میں چند آزاد
حکومتوں کے قیام سے کونسی قباحت پیدا ہوتی ہے اور اس کو کیوں
ایک مرکز کے تحت رکھنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

متحدہ قومیت

رہی متحدہ قومیت کی بحث، پہلے باب میں
بتایا گیا ہے کہ ہندوستان میں متحدہ قومیت
ایک مفروضہ ہے۔ یہاں ہندو مسلم اتحاد تو بڑی چیز ہے خود ہندوؤں میں
کوئی اتحاد نہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ متحدہ قومیت میں کیا نیکی چھپی ہوئی
ہے اور اس کے خلاف ہر آواز کو کیوں مطعون قرار دیا جاتا ہے۔ کیوں
حقائق کو سیدھے طور پر تسلیم نہیں کیا جاتا۔ ہندوستان میں مختلف
قومیتوں کا وجود کوئی راز نہیں ہے جس کو پروپیگنڈہ کا ذریعہ بنایا جائے
اور کسی قوم کی طرف سے کوئی جائز مطالبہ ہو تو اس کو فرقہ واریت

کہہ کر بدنام کیا جائے۔

پنڈت نہرو کا اعتراض | چنانچہ پنڈت جواہرلال نہرو فرماتے ہیں کہ:-

"ہندوستان میں فرقہ واریت، خدمات میں حصہ اور مجالس مقننہ میں نمائندگی کے لئے پیدا ہوئی، اب اس نے علانیہ مخالف قوم اور مخالف جمہوریت تحریک کی صورت اختیار کرلی ہے اور ہندوستان کی تقسیم کا مطالبہ کررہی ہے۔ مذہبی گروہوں پر مشتمل سیاسی جماعتوں کا نظریہ جو یورپ میں قومیت کے سیلاب میں بہہ گیا، دوبارہ زندہ کیا جارہا ہے، یہ ایسا ہی تصور ہے جیسا کہ اسلام کے خلاف عیسائیوں کی صلیبی جنگ۔ یہ عجیب بات ہے کہ قدیم ہندوستان میں بھی یہ نظریہ کبھی پیدا نہیں ہوا یہاں ہر قوم کا خیر مقدم کیا گیا، جب مسلمان حکمران ہوئے تو انہوں نے یہاں کی دو بڑی اقوام کو ملا کر ایک قومیت پیدا کرنے کی کوشش کی اور اب جب کہ قومیت کی جگہ بین الاقوامیت لے رہی ہے تو قومیت سے بھی زیادہ تنگ مسلک اختیار کیا جارہا ہے نیز اب جب کہ دنیا قوموں کے ایک حقیقی وفاق کی طرف بڑھ رہی ہے تو ہندوستان کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا جارہا ہے۔"

پنڈت جی کو جواب | پنڈت جواہرلال نہرو نے مسلمانوں کے

قومی وطن کی تحریک کو غلط روشنی میں پیش کیا ہے، آپ نے اس کو فرقہ واریت سے موسوم کیا ہے، سوال یہ ہے کہ فرقہ واریت کیا چیز ہے، کیا کسی مسلمان کا یہ کہنا کہ میں مسلمان ہوں اور ہندو کا یہ کہنا کہ میں ہندو ہوں کوئی جرم ہے۔ پنڈت جی کو مسلمانوں پر کیوں غصہ آتا ہے اگر مسلمان ایک مصنوعی قومیت میں مدغم ہونا نہیں چاہتے۔ اور ہندوؤں کا تختۂ مشق بننا نہیں چاہتے۔ پنڈت جی مسلمانوں کو قوم نہیں سمجھتے بلکہ مذہبی گروہ تصور کرتے ہیں اور مسلمانوں کی سیاسی جد و جہد کو عیسائیوں کی صلیبی جنگ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی یہ کوشش پنڈت جی کے شایان شان نہیں ہے۔ اسلام کے خلاف عیسائیوں کی صلیبی جنگ سے مسلمانوں کی قومی وطن کی تحریک کو کیا تعلق ہو سکتا ہے، اس کا اندازہ ہر شخص بخوبی کر سکتا ہے۔

پنڈت جی کا یہ بیان ہے کہ "اب جب کہ قومیت کی جگہ بین الاقوامیت لے رہی ہے مسلمان قومیت سے بھی زیادہ تنگ مسلک اختیار کر رہے ہیں"۔ یہاں پر قومیت کے لفظ سے کھیلا گیا ہے۔ مسلمان یہ نہیں کہتے کہ وہ قوم نہیں ہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ وہ ہندوؤں کی قوم کا جزو نہیں بن سکتے۔ ان کا یہ کہنا ہندوؤں کے ساتھ اختلافات کے مد نظر بالکل بجا اور درست ہے، اس مطالبہ کا بین الاقوامیت پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا، اگر بین الاقوامیت کے معنی یہ ہیں کہ ایک

قوم دوسری قوم کو ہضم کرجائے تو یقیناً پنڈت جواہر لال نہرو کو مایوس ہونا چاہیئے۔ لیکن اگر بین الاقوامیت کے معنی یہ ہیں کہ جملہ اقوام اپنی اپنی جگہ رہ کر اور اپنی آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے دوسری اقوام کے ساتھ رشتۂ اتحاد قائم کریں اور اس طرح سب قومیں متحد ہو کر دنیا کے امن اور فلاح و بہبود کے لیئے کوشش کریں تو مسلمان بھی یہی چاہتے ہیں۔ ان کا مطالبہ "جیو اور جینے دو" کے زریں اصول پر مبنی ہے۔

آزاد مملکتوں کی مثالیں

ہر قوم کے لیئے آزاد مملکتوں کا قیام کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ ہم کو یورپ میں اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً آسٹریا، ہنگری میں جہاں ایک ہی مذہب یعنی رومن کیتھولک کے پیرو عرصہ دراز سے ایک ہی سلطنت کی رعایا کی حیثیت سے ایک قسم کے روایات، ایک قسم کے رسم و رواج ایک قسم کی تہذیب اور ایک قانون کے تحت زندگی بسر کر رہے تھے، جنگ عظیم کے بعد ورسیلز کانفرنس میں حق حکومت خود اختیاری کے تسلیم کیئے جانے پر پانچ مختلف ممالک مثلاً چیکوسلواکیا، ہنگری، آسٹریا، پولینڈ اور یوگوسلاویا میں منقسم ہو گئے۔

اسی طرح ترکی میں کئی قومیں آباد تھیں، ترکی نوجوانوں کی جماعت اتحاد و ترقی نے ان میں اتحاد و قومی شعور پیدا کرنے کی کوشش کی یہود اور یونانی بھائی بھائی پکارے جاتے تھے۔ ترکی کی پہلی قومی پارلیمنٹ میں جملہ مذاہب و اقوام کو نمائندگی عطا کی گئی تھی، جدید دستور میں ہر قوم

اور مذہب مسلم اور غیر مسلم کے لئے تحفظات تجویز کئے گئے تھے، مگر یہ ساری کوششیں بیکار ثابت ہوئیں۔ عربوں، آرمینیوں اور یونانیوں نے جنگِ عظیم کے بعد علیحدگی اختیار کر لی۔

ایشیائے کوچک میں دس لاکھ یونانی، دس لاکھ آرمینی اور دس لاکھ کُرد آباد تھے جس کی بناء پر جنگ کے بعد اتحادیوں نے آرمینیوں کیلئے ایک آزاد سلطنت قائم کر دی اور سمرنا اور ساحلی رقبہ کو یونان کے سپرد کرنے کا فیصلہ کیا۔ اگر ترک یونانیوں کو شکست نہ دیتے اور تبادلۂ آبادی کے اصول پر رقیبوں کی داد و ستد نہ کرتے تو آج سمرنا ترکی کے قبضہ میں نہ ہوتا۔

روس میں بھی شاہان روس کی کوششوں کے باوجود روس کی مغربی سرحد پر وہاں کی مختلف قومیتوں نے پانچ مملکتیں۔ فنلینڈ، استھونیا لیٹویا اور لیتھونیا اور پولینڈ قائم کر لیں۔

یہی حال ہالینڈ اور بلجیم کا ہے ان ممالک کے باشندے عیسائی ہیں مگر بلجیم میں رومن کیتھولک رہتے ہیں اور ہالینڈ میں پروٹسٹنٹ چنانچہ محض اس بنیاد پر بلجیم اور ہالینڈ والوں نے دو علیحدہ علیحدہ سلطنتیں قائم کر لیں۔

آئرلینڈ کو لیجئے جس میں ایک ہی مذہب کے پیرو آباد ہیں لیکن رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے فرق کی وجہ سے السٹر آئرلینڈ سے علیحدہ ہے۔

کرد ترکی کی مشرقی سرحد پر آباد ہیں اور ترکوں کے ہم مذہب ہیں کبھی کبھی ترکی سے علیحدہ سلطنت قائم کرنے کے لئے بغاوت کرتے رہتے ہیں، ان کردوں سے پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی کتاب "تاریخ عالم کے چند مناظر" میں ہمدردی کا اظہار فرمایا ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ :—

"کردوں کے نمائندوں نے ورسائی کانفرنس میں قومی آزادی کا مطالبہ کیا تھا، اگرچہ اُن کی بغاوت مذہبی بناء پر تھی تاہم اس میں قومیت کا عنصر بہت زیادہ تھا، مگر کمال پاشا نے کردوں کو بیرحمی کے ساتھ کچل دیا۔ کردی لیڈروں شیخ سعید اور ڈاکٹر خواجہ کو پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ اس طریقہ سے ترکوں نے جو آزادی کے لئے لڑ رہے تھے، کردوں کو جو اسی آزادی کے خواہاں تھے کچل کے رکھ دیا۔ سنہ ۱۹۲۹ء میں کردوں نے پھر بغاوت کی۔ اس مرتبہ بھی اُن کو شکست دی گئی، لیکن کیا کوئی ایسی قوم کو ہمیشہ کے لئے کچل سکتا ہے جو آزادی کے لئے مصر ہو اور اس کی قیمت ادا کرنے کے لئے تیار ہو۔"

یہاں کردوں سے متعلق جن کی تعداد دس پندرہ لاکھ سے زیادہ نہیں پنڈت جواہر لال نہرو نے یہ خیال ظاہر کیا ہے۔ وہاں نو کروڑ مسلمانوں کی آزادی کے مسئلہ کو محض قومیت اور فرقہ واریت قرار دیکر نظر انداز کر دینا اور اس کی مخالفت کرنا غور طلب ہے۔

مدافعت ہندوؤں کی جانب سے یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ ہندوستان کی مدافعت اس تقسیم سے کمزور ہو جائے گی لیکن یہ اعتراض بھی صحیح نہیں ہے۔ مدافعت پورے ملک کی مختلف مملکتوں کا مشترکہ مفاد ہے۔ اس مدافعت کو کوئی مملکت خود اپنے وجود و بقا کی خاطر نظر انداز نہیں کر سکتی۔ جملہ مملکتیں آزادانہ طور پر کسی مشترکہ ایجنسی کے ذریعہ اس فرض کو اب سے زیادہ ترقی یافتہ احساس ذمہ داری کے ساتھ انجام دے سکتی ہیں۔

کانگریس کا مقصد کانگریس اور مہاسبھا ان امور کو بخوبی سمجھتے ہیں لیکن ان کی مخالفت کی وجہ صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کا مطالبہ اُن کے مقاصد کے خلاف پڑتا ہے وہ چاہتے ہیں کہ حکومت برطانیہ نے ہندوستان کے مخصوص حالات کو نظر انداز کر کے یہاں جس طرزِ حکومت کی داغ بیل ڈالی ہے۔ اس سے فائدہ اٹھا کر ہندو راج قایم کریں اور یہاں کے جملہ باشندوں پر حکومت کریں چنانچہ کانگریسی دورِ حکومت سے اُن کے ان خفیہ عزائم کا انکشاف ہو چکا ہے۔

اسکیم ناقابل عمل نہیں جو لوگ اس اسکیم کو ناقابل عمل سمجھتے ہیں ان سے دریافت طلب یہ ہے کہ ناقابل عمل سے کیا مراد ہے؟ اگر اس سے ان کا اشارہ تبادلۂ آبادی کی طرف ہے تو معلوم ہونا چاہئے کہ تبادلۂ آبادی لازمی نہیں ہے۔ ہر اقلیت خواہ

ہندو ہو کہ مسلمان چند مخصوص تحفظات کے ساتھ جہاں چاہے زندگی بسر کر سکتی ہے۔

سیاسی بخار نہیں

جو لوگ اس کو سیاسی بخار تصور کرتے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ تحریک کسی اچانک تغیر حالات کا نتیجہ نہیں بلکہ ہندوستان کی بین الفرقی سیاسی تاریخ کا منطقی نتیجہ ہے مسلمان اتحاد و اتفاق کا ہاتھ بڑھاتے بڑھاتے تھک گئے انہوں نے اپنے حقوق و مفادات کی حفاظت کرتے ہوئے ہندو سے سمجھوتہ کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ ہندو ایسے سمجھوتے سے ہمیشہ گریز کرتے رہے اگر کبھی سمجھوتہ ہو بھی گیا تو انتہا پسند عناصر گوشہ دیگر اس کو روبہ عمل آنے نہ دیا گیا، ابتداء میں مسلمان یہ سمجھتے رہے کہ اس ناکامی کے ذمہ دار انتہا پسند عناصر ہیں لیکن رفتہ رفتہ ہندوؤں کی ذہنیت کا انکشاف ہوتا گیا۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں مسٹر جناح کانگریس سے علیحدہ ہو گئے سنہ ۱۹۲۲ء میں مولانا محمد علی مرحوم کو اپنی مایوسی کا اعلان کرنا پڑا۔ سنہ ۱۹۲۸ء میں نہرو رپورٹ نے اس ذہنیت کو کھلے بندوں بے نقاب کر دیا اور آخر کار سنہ ۱۹۳۱ء کی گول میز کانفرنس میں اس پر مہر تصدیق لگ گئی۔ اس کے بعد تھوڑی بہت امید جو رہ گئی تھی وہ کانگریسی دور میں ختم ہو گئی ان حالات میں مسلمانوں کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ یا تو وہ ہندوؤں کے دست نگر ہو جائیں یا اپنی نجات کی کوئی راہ تلاش کریں۔ چنانچہ مسلمانوں نے یہ راہ تلاش کر لی ہے انشاء اللہ وہ اس راہ سے نہیں ہٹیں گے۔

آزادی ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ اس مطالبہ سے ہندوستان کی آزادی کا مسئلہ معرض التوا میں پڑ جاتا ہے یہ بھی صحیح نہیں۔ آزادی کا مسئلہ اب جب کہ مختلف اقوام ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں ملتوی ہے اور حکومت برطانیہ اس سے فائدہ اٹھا رہی ہے۔

وائسرائے نے اعلان کیا ہے کہ اگر یہاں کی اقوام کسی سمجھوتہ پر پہنچ جائیں تو اس سمجھوتہ کی بناء پر مسئلہ کو آگے بڑھایا جا سکتا ہے! ایسی صورت میں کیا موجودہ اختلافات کو علی حالہ برقرار رکھنے سے آزادی معرض التوا میں ہے یا مسلمانوں کے حقوق مطالبہ کو تسلیم کرکے اور ہر قوم کو ایک علیحدہ وطن عطا کرکے متحدہ طور پر مطالبہ کرنے سے آزادی جلد حاصل ہو سکے گی۔

حکومت برطانیہ ایک اور سوال یہ کیا جاتا ہے کہ کیا حکومت برطانیہ اس مطالبہ کو تسلیم کرے گی حقیقت میں اس مطالبہ کو حکومت برطانیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حکومت برطانیہ نو آبادیاتی درجہ عطا کرنے کے بعد ملک سے بے تعلق ہو جائے گی یہ مسئلہ اندرونی انتظام کا ہے اور اس کا تصفیہ یہاں کی اقوام کو بطور خود کرنا پڑیگا۔

فرقہ وارانہ حل بعض حلقوں میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے فرقہ وارانہ مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس اسکیم سے فرقہ وارانہ کشمکش فوراً ختم نہیں ہو جائے گی۔ لیکن یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس اسکیم سے ہندو اور مسلمانوں کے سیاسی اختلافات

رفع ہو جائیں گے جس کا عوام کی ذہنیت پر مفید اثر پڑے گا۔ علاوہ ازیں آزاد مملکتوں کے قیام سے ہر مملکت کے باشندوں میں اپنے ہمسایوں کے ساتھ اچھے سلوک اور رواداری کا ذمہ دارانہ احساس پیدا ہوگا۔ اور اس طرح فرقہ وارانہ تصادم کے امکانات بہت بڑی حد تک گھٹ جائیں گے اس لحاظ سے یہی ایک فرقہ وارانہ مسئلہ کا موثر حل ہے۔

اسکیم کے فوائد

بہر حال اس اسکیم کے فوائد حسب ذیل ہیں :۔

(۱) یہ اسکیم ہندوستان کے دستوری مسئلہ کا حل ہے

(۲) اس اسکیم کے ذریعہ ہندوستان کی ہر قومیت کو ایک قومی وطن مل جاتا ہے جہاں وہ آزادی کے ساتھ زندگی بسر کر سکتی اور اپنے طور پہ ترقی کر سکتی ہے۔

(۳) اس اسکیم کے ذریعہ اقلیتی قومیں اکثریتی قوم کی دست برد سے مامون ہو جاتی ہیں چنانچہ پسماندہ اقوام اور جنوبی ہند کی قومیتیں اسی لئے اس کی تائید کر رہی ہیں۔

(۴) یہ اسکیم فرقہ وارانہ مسئلہ کا واحد حل ہے۔

(۵) اس اسکیم کی بدولت جملہ اقوام متحد ہو کر کامل آزادی کا مطالبہ کر سکتی ہیں جو موجودہ اختلافات کے دور میں ممکن نہیں ہے۔

مسلم لیگ سے

عام اصول

مسلم لیگ سے ہمیں یہ کہنا ہے کہ اس نے جو قدم اٹھایا ہے وہ صحیح ہے لیکن اس کو مستحکم کرنے اور آگے بڑھانے

کی ضرورت ہے جیسا کہ قرارداد اور اس کے مضمرات کے تحت بتایا گیا
ہے مسلم لیگ کے مطالبہ کا اساسی اصول یہ ہونا چاہیئے کہ ہندوستان
کو قومیتی یا تہذیبی بنیاد پر آزاد مملکتوں میں تقسیم کیا جائے یہ ایک
جامع اور مانع اصول ہوگا اور اس کا اطلاق پورے ہندوستان پر ہوگا
مسلم لیگ کا یہ ادّعا ہے کہ ہندوستان کے مسئلہ کا واحد حل پاکستان ہے
ایسی صورت میں اس کو ایسا ہی کوئی ایک عام اصول پیش کرنا چاہیئے
بحالت موجودہ مسلم لیگ کی قرارداد کا اصول صرف مسلم صوبجات شمال
مشرق و شمال مغرب پر منطبق ہوتا ہے ۔

اقلیتیں

نیز گزشتہ باب میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ملحقہ اکثریتی
رقبوں کی شرط سے بقیہ ہندوستان کے سارے مسلمان
جن کی تعداد تین کروڑ ہے چھوٹ گئے ہیں ان مسلمانوں کیلئے تحفظات
تجویز کئے گئے ہیں لیکن تحفظات پر اب مسلمانوں کا اعتماد باقی نہیں رہا ہے مسلم لیگ کو
ان کے لئے کوئی نہ کوئی اطمینان بخش صورت نکالنی چاہیئے ۔

مرکز

مسلم لیگ کی قرارداد میں ایک اور چیز کی وضاحت نہیں
کی گئی ہے اس میں یہ نہیں بتایا گیا کہ مختلف آزاد مملکتوں
کا ارتباط کس اصول پر ہوگا ؟ آیا یہاں وفاق قائم کیا جائے گا یا علیحدگی
تجویز کیا جائے گا ۔ فقرہ (۴) میں لفظ "آخر کار" سے ایک تیسری
پارٹی کی طرف اشارہ نکلتا ہے، مگر اس کی وضاحت ضروری ہے

دیسی ریاستیں

جیسا کہ مسلم لیگ کی مجلس خارجہ کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کوئی کل ہند اسکیم دیسی ریاستوں کو حذف کر کے مرتب نہیں کی جا سکتی۔ یہ دیسی ریاستیں مسلم اور ہندو منطقوں سے گھری ہوئی ہیں اور جب برطانوی ہند کو نوآبادیاتی درجہ ملے تو اس میں دیسی ریاستیں بھی شریک رہیں گی اس لحاظ سے ایک کل ہند اسکیم میں دیسی ریاستوں کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ چند امور مسلم لیگ کی توجہ کے محتاج ہیں۔ ہمیں یہ توقع رکھنی چاہیئے کہ مسلم لیگ اپنی اسکیم کی ترتیب کے وقت ان پر غور کرے گی۔
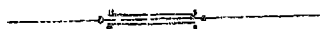
باب پنجم

موجودہ دستوری صورت حال

اِس باب میں وائسرائے بہادر اور وزیرِ ہند کے اعلانات کے وہ اقتباسات درج کئے گئے ہیں جن سے ہندوستان کی موجودہ دستوری صورت حال پر روشنی پڑتی ہے۔

دستوری ترقی کا مقصد

یہ سوال کہ ہندوستان کے بارے میں ملک معظم کی حکومت کے کیا عزائم اور ارادے ہیں اِس بارے میں میں سابق وزیرِ ہند کے ۶ فروری ۱۹۳۵ء کے بیان کا حوالہ دینا ہی کافی سمجھتا ہوں جو اُنہوں نے دارالعوام میں ملک معظم کی حکومت کی جانب سے ذمہ دارانہ طور پر دیا تھا۔

یہ بیان مسئلہ کی پوری وضاحت کرتا ہے اس میں ۱۹۱۹ء کے دستور کی تمہید میں بیان کردہ وعدہ کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ

ملک معظم کی حکومت کا ہرگز یہ ارادہ نہیں ہے کہ اس وعدہ کو واپس لے۔
"نیز یہ بیان اُس تعبیر کی بھی پُرزور تائید کرتا ہے جو ملک معظم کی حکومت کی جانب سے لارڈ ارون نے بحیثیت وائسرائے ۱۹۲۹ء میں پیش کی تھی۔ اور جو یہ تھی کہ "ہندوستان کی دستوری ترقی کا حاصل نوآبادیاتی مرتبہ ہے"۔

"مجھے اس بیان کی صراحت کی ضرورت نہیں کہ وہ بالکل صاف اور واضح ہے اور پارلیمنٹ کے رکارڈ میں محفوظ ہے نیز وہ ملک معظم کی حکومت کی پالیسی اور ہندوستان کے آئندہ دستوری ارتقا کے متعلق اس کے ارادوں کا قطعی اعلان ہے لیکن میں اس قدر اضافہ کروں گا کہ ملک معظم نے ۱۹۳۷ء میں جو دستاویز ہدایات مجھے بحیثیت گورنر جنرل دی ہے۔ اس میں مجھ پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ ملک معظم نے مجھ پر جو اعتماد کیا ہے اس کو میں اس طرح پورا کردں کہ "ہماری سلطنت میں ہندوستان اور حکومت متحدہ کے مابین شراکت میں ترقی ہو۔ تاکہ ہندوستان ہمارے مقبوضات میں اپنا جائز مقام حاصل کرسکے"۔

(اعلان وائسرائے ہند بابتہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۹ء)

دستورِ ہند بابتہ ۱۹۳۵ء

"دستور ہند بابتہ ۱۹۳۵ء میں مرکزی حکومت کی ایسی تبدیلی پیش نظر تھی کہ اس سے ہندوستان کے اتحاد کا مقصد حاصل ہو۔ اس مقصد کے حصول کے لئے جو طریقہ تجویز کیا گیا وہ کل ہند وفاق تھا تاکہ برطانوی ہند کی سیاسی جماعتوں کے

نو آبادیات میں اپنا جائز مقام حاصل کرلے۔

"دستور ہند بابتہ ۱۹۳۵ء میں حکومت کی جو اسکیم تجویز کی گئی ہے وہ اسی کوشش کی ایک منزل تھی، لیکن جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے۔ جنگ کے بعد ملک معظم کی حکومت اس اسکیم کو ہندوستانی آراء کی روشنی میں ترمیم طلب تصور کرنے کے لیے آمادہ رہے گی۔"

(اعلان وائسرائے ہند بابتہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۹ء)

اقلیتیں

"آئندہ دستوری اسکیم میں اقلیتوں کی حیثیت سے متعلق قبل ازیں واضح کر دیا گیا ہے کہ میرے گزشتہ اکتوبر کے اعلان سے دستور ہند بابتہ ۱۹۳۵ء یا اس کی پالیسی اور خاکے کی جانچ خارج نہیں ہے۔

"ملک معظم کی حکومت کی...... اس خواہش کو بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ دستور کی نظر ثانی میں اقلیتوں کے خیالات کو وزن دیا جائے گا ملک معظم کی حکومت کا اب بھی یہی پوزیشن ہے۔

"یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ملک معظم کی حکومت ہندوستان کے امن اور فلاح سے متعلق اپنی موجودہ ذمہ داریوں کو کسی ایسے نظام حکومت کے تفویض نہیں کر سکتی جس کو تسلیم کرنے سے ہندوستانی قومی زندگی کے بڑے اور طاقتور عناصر کو براہ راست انکار ہو۔ نہ حکومت ایسے عناصر کو کسی حکومت کے جبراً تابع بنانے میں فریق ہو سکتی ہے۔" (اعلان وائسرائے ہند بابتہ ۸ اگست ۱۹۴۰ء)

جدید دستور کی تدوین

برطانوی دولت عامہ میں ایک جدید دستوری اسکیم کی ترتیب کے لیے منشری کی نسبت شدت کے ساتھ اصرار کیا گیا ہے کہ ایسی اسکیم کی ترتیب ہندوستانیوں ہی پر منحصر ہونی چاہیے، اور یہ کہ یہ اسکیم ہندوستانی حیات عامہ کی سماجی معاشی اور سیاسی تعمیر کے ہندوستانی تصورات پر مبنی ہو۔ ملک معظم کی حکومت کو اس خواہش سے ہمدردی ہے اور وہ اس کو عملی جامہ پہنانا چاہتی ہے۔ صرف اس استثنا کے ساتھ کہ ہندوستان کے ساتھ برطانیہ عظمیٰ کے طویل تعلقات کی وجہ سے جو ذمہ داریاں ملک معظم کی حکومت پر عائد ہیں اور جن سے وہ دستبردار نہیں ہوسکتی، ان کی تکمیل ضروری ہوگی۔

"یہ ظاہر ہے کہ ایسے زمانہ میں جب کہ دولت عامہ اپنے وجود و بقا کے لیے جدوجہد میں مصروف ہے، اساسی دستوری امور کی نسبت کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن ملک معظم کی حکومت نے بخوشی اس اعلان کا اعادہ کیا ہے کہ جنگ کے ختم ہونے کے بعد کم سے کم مدت میں وہ ہندوستان کی قومی زندگی کے اہم عناصر کے نمائندوں کی مجلس کے قیام پر جلد سے جلد رضامند ہوجائے گی جس کا کام ہوگا کہ وہ نئے دستور کا ڈھانچہ تیار کرے اور اس سلسلہ میں وہ جملہ متعلقہ امور کے عاجلانہ تصفیہ کے لیے ممکنہ امداد دیں گے۔

اس اثناء میں وہ ہندوستان کے نمائندوں کے ہر پرخلوص

اور عملی اقدام کا خیر مقدم کرے گی اور اس کو ممکنہ طور پر ترقی دینے کی
کوشش کرے گی، جو حسب ذیل امور کے متعلق ایک دوستانہ سمجھوتہ
کی بنیاد پیدا کرنے کے لئے کیا جائے :-

(۱) جنگ کے بعد نمائندوں کی مجلس کی تشکیل۔

(۲) دستوری خاکہ اور اصول۔

ملک معظم کی حکومت امید کرتی ہے کہ اس اثناء میں اتحاد و مفاہمت
باہمی کے ایسے ذرائع پیدا ہو جائیں گے اور برطانوی دولت عامہ
میں ہندوستان کے آزاد اور مساوی مرتبے کے حصول کے لئے راستے
صاف کریں گے جو تاج اور برطانوی پارلیمنٹ کا مقبولہ اور مسلمہ مقصد ہے

(اعلان وائسرائے ۸ اگست ۱۹۴۰ء)

تقریر مسٹر ایمری وزیر ہند

۱۴؍ اگست سنہ ۱۹۴۲ء

ذیل میں وزیر ہند کی تقریر کے اقتباسات درج کیے جاتے ہیں جن سے دستوری مسئلہ کی پوری وضاحت ہوتی ہے۔

دستوری نزاع "ہندوستان میں دستوری نزاع ملک معظم کی حکومت اور ہندوستان کی ایک متحدہ مخالف جماعت کے درمیان اتنی شدید نہیں ہے جتنی کہ خود ہندوستان کی قومی زندگی کے مختلف عناصر کے مابین ہے۔ اس نزاع کو صرف ملک معظم کی حکومت اور ہندوستان کے نمائندوں کے مابین معاہدہ کے ذریعہ نہیں بلکہ دو سے زیادہ فریقین کے مابین معاہدہ کے ذریعہ حل کرنے کی ضرورت ہے۔

کانگریس کا "سب سے پہلے انڈین نیشنل کانگریس ہے۔ اس کے قائدین نے تعاون کا مطالبہ ... سنہ ۱۹۳۵ء کے وفاقی پہلو کو اس بنا پر مسترد کر دیا ہے کہ وہ اصول جمہوریت کے خلاف ہے اور ہندوستان کو پوری کامل آزادی عطا نہیں کرتا۔ ان کا مطالبہ یہ ہے کہ ہندوستان کی آزادی کو تسلیم کر لیا جائے اور ہندوستانیوں کا اپنا دستور ایک مجلس دستور ساز کے ذریعہ جو [illegible] قائم

رائے دہی کی بنا پر منتخب ہو گی مدون کرنے کی اجازت دی جائے۔

...... صحیح ہے کہ برطانوی ہند میں یہ جماعت سب سے بڑی ہے، لیکن محض اس بنا پر اس کے دعوے کو کہ وہ پورے ہندوستان کی نمائندگی کرتی ہے، ہندوستان کی پیچیدہ قومی زندگی کے اہم عناصر تسلیم نہیں کرتے۔ یہ عناصر اس حق کا اثبات کرتے ہیں کہ انہیں تعدادی اقلیت نہیں بلکہ آئندہ ہندوستان کی پالیسی کے ترکیبی اجزا قرار دیا جائے اور ہندوستان کے آئندہ دستور کی تشکیل کے مباحث میں انہیں اس حیثیت سے شریک کیا جائے۔

مسلمانوں کی حیثیت

"ان عناصر میں سب سے پہلے مسلمانوں کا بڑا فرقہ ہے جس کی آبادی (۹) کروڑ ہے اور جو شمال مغربی اور شمال مشرقی ہندوستان میں اکثریت میں ہے اور باقی سارے بر اعظم میں اقلیت کی صورت میں پھیلی ہوئی ہے۔ مذہبی اور معاشرتی نقطۂ نظر، تاریخی روایات اور تہذیب میں اس فرقہ اور اس کے ہم وطن ہندوؤں میں گہرا اختلاف ہے لیکن اس سے سماجی میل جول یا بازار اور سیاسی تعاون میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے اور نہ [illegible] یہ اختلاف بعض مسلم افراد کو کانگریسی جماعت میں شامل ہونے سے منع نہیں کرتا۔

"لیکن ایک جماعت کی حیثیت سے مسلمان کانگریس سے علیحدہ ہیں۔ دستوری اسکیم کے متعلق ان کی منشا یہ نہیں ہے کہ یہ دستور واضح

اکثریت کی حکومت عطا نہیں کرتا جیسا کہ کانگریسیوں کا مطالبہ ہے بلکہ یہ ہے کہ اس میں ہندو اکثریت کو مرکز میں زیادہ سے زیادہ اختیارات عطا کئے گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انہیں اکثریتی رائے سے منتخبہ مجلس دستور ساز کے مرتبہ دستور سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ وہ اس حق کا مطالبہ کرتے ہیں کہ ہر دستوری مباحث میں ان کا ایک علیحدہ وجود تسلیم کیا جائے اور صرف ایسا دستور ان کے لئے قابل قبول ہوگا جو تعدادی اکثریت کے مقابلہ میں ان کو ایسا وجود عطا کرے۔

پست اقوام

یہی چیز اس طبقہ پر بھی صادق آتی ہے جو پست اقوام کے نام سے مشہور ہے اور جو مسٹر گاندھی کی کوششوں کے باوجود یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ ایک فرقہ کی حیثیت سے ہندوؤں کے فرقے سے باہر ہے جس کی کانگریس نمائندگی کرتی ہے۔

دیسی ریاستیں

دوسری طرف ہندوستانی روسا جن کے تحت ہندوستان کا ایک تہائی رقبہ اور تقریباً ایک ربع آبادی ہے، ایک دوسری رعایت یا دونوں کا مجموعہ میں ہو کانگریس کے جمہوری فارمولے میں جذب ہونا نہیں چاہتے۔ ان کا اعتراض یہ ہے کہ موجودہ اسکیم ان کے اختیارات میں بے جا مداخلت کرتی ہے۔ قطع نظر ازیں وہ مجوزہ مجلس دستور ساز یا کسی ایسے دستور کے مخالف ہیں جو یہ مجلس تجویز کرے۔ تاہم یہ ریاستیں ایک ہندوستانی

وفاق کے لازمی عنصر ہیں اور واقعہ تو یہ ہے کہ اس کی بہت بڑی مدد کرسکتے ہیں۔

"ایک سے زیادہ اعتبارات سے ان دیسی ریاستوں کے علاقے ہندوستان کے ہندوستانی حصے ہیں اور وہ بقیہ ہندوستان سے قریبی تعلق پیدا کرکے دستوری اور معاشی ترقی کرسکتے ہیں۔ لیکن یہ فرض کر لینا درست نہ ہوگا .... کہ ایسی ترقی ایک ہی رات میں ہوسکتی ہے یا یہ کہ دیسی ریاستوں کو وفاقی اسکیم میں اپنا حصہ لینے کا موقع دینے کے قبل اس کو ان کے سر پر مسلط کیا جاسکتا ہے۔

اختلافات

"لہٰذا جب ہم ہندوستانی دستوری مسائل کا حل معلوم کرنا چاہیں تو ان اختلافات کو پیش نظر رکھنا لازمی ہے۔ یہ اختلافات اس وقت تک رفع نہیں ہوئے ہیں لیکن میں یہ نہیں کہوں گا کہ یہ رفع نہیں ہوسکتے۔ ان اختلافات کی تہ میں یہ واقعہ موجود ہے کہ ہندوستان دنیا کا ایک مکمل اور ممیز علاقہ ہے۔ ہندوستان کا ایک قدیم تمدن اور اس کے اقوام کی ایک طویل تاریخ ہے جس پر ہندوستانی فخر کرسکتے ہیں .... علاوہ ازیں اس میں نہ صرف نظم و نسق بلکہ سیاسی تخیل اور نظام کی وحدت پائی جاتی ہے جو ہم بجا طور پر دعوی کرسکتے ہیں کہ ہندوستان کی قومی زندگی کو ہماری عطا کی ہوئی چیز ہے

- -

- -

نوآبادیاتی مرتبہ

"کیا میں ہندوستان کے اس مقصد کے متعلق کچھ کہہ سکتا ہوں جس کو عام طور پر نوآبادیاتی مرتبہ کہا جاتا ہے اور جس کو میں برطانوی دولت عامہ میں ایک آزاد اور مساوی شراکت کہنا پسند کرتا ہوں، نوآبادیاتی مرتبہ کا مقابلہ کامل آزادی کے ساتھ کرتے ہوئے اس کو ایک ادنیٰ یا غیر آزاد مرتبہ نہ سمجھا جائے جیسا کہ بالعموم ہوتا ہے۔ دولت عامہ کی نوآبادیات کا مرتبہ علیحدہ اقوام کے مرتبہ سے کہیں زیادہ قابل ترجیح ہے۔

"کتنی آزاد قومیں ایسی صورت میں کہ جبکہ ان کی قوی ہمسایہ قومیں ان پر قابض نہ ہوگئی ہوں اپنی زندگی اپنے طور پر بسر کرنے کی قابلیت رکھتی ہیں؟ برطانوی دولت عامہ کو اس سے کچھ زیادہ ہی حاصل ہے۔ ہم کو حفاظت، خوشحالی، دوستی اور دنیا کی نگاہوں میں وقار حاصل ہے جو ہمارے مساویانہ اور آزادانہ اتحاد کا نتیجہ ہے دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی مرتبہ نہیں ہے اور یہی وہ مرتبہ ہے جو ہندوستان میں ہماری پالیسی کا مقصد ہے۔

جنگ کے بعد

"مستقبل کی مزید بنا کا کام جنگ کے بعد جلد ہی ہندوستان کی قومی زندگی کے اہم عناصر کی ایک نمائندہ مجلس انجام دے گی۔ یہ مجلس ان عناصر کے نمائندوں کے باہمی اتفاق رائے سے ترتیب دی جائے گی اور ایسی مجلس نہ ہوگی جو کسی آئین کی تنظیم کے لئے خواہ وہ کتنا ہی بااثر ہو قابل قبول لیکن اقلیتی عناصر کے لیے

ناقابل قبول ہو۔

ذمہ داریوں کی منتقلی ملک معظم کی حکومت نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ ہندوستان کے امن اور فلاح سے متعلق موجودہ ذمہ داریوں کو کسی ایسے نظام حکومت کے تفویض نہیں کر سکتی جس کے اقتدار سے ہندوستان کی قومی زندگی کے بڑے اور قوی عناصر کو انکار ہو، اس معاملہ میں بھی مقبوضاتی دستور کی تشکیل کے اصول سے انحراف نہیں کیا گیا ہے۔ ہر مقبوضہ میں بہ صرف جغرافیائی وحدتوں بلکہ نسلی عناصر مثلاً کینیڈا میں انگریز اور فرانسیسی جنوبی افریقہ میں برطانوی اور یورپ کے مابین دستور کی تشکیل کے طریقہ اور خود دستور کے متعلق اتفاق رائے ضروری ہے۔

اتفاق رائے اتفاق رائے اور رضامندی فی الحقیقت ہر آزاد حکومت اور ہر سچی جمہوریت کا سنگ بنیاد ہے۔ اکثریت کے فیصلے جمہوریت کی روح سے زیادہ عملی سہولت سے تعلق رکھتے ہیں اور جمہوریت کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے دستور کو چلانے کے لئے عام اتفاق رائے پہلے ہی سے موجود ہو اور واقعہ تو یہ ہے کہ جمہوریت کو کئی وفاقی دساتیر میں علاحدہ مفادات کے تحفظ کے لئے محدود کر دیا گیا ہے۔

کانگریس کو جواب ایسے اتفاق رائے کی ضرورت کو دستوری ترقی کی نفی قرار دینا میرے خیال میں وطن پرستی اور

ذمہ داری کے ساتھ ناانصافی کرنا ہے۔ اتفاق رائے کے معنی کسی عنصر کی جانب سے ویٹو کے نہیں بلکہ باہمی سمجھوتے کے ہیں اور ہندوستان میں باہمی سمجھوتہ پر آمادگی، احساس ذمہ داری کی لازمی شرط ہے جس پر ایک آزاد حکومت کو مبنی ہونا چاہیئے۔

" دوسری طرف ایسے اتفاق رائے کے حاصل کرنے کی ضرورت پیدا شدہ قیود کے اندر پورا دستوری میدان دوبارہ جانچ کے لئے کھلا ہوا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ موجودہ اسکیم سے بالکل انحراف کے ذریعہ خواہ وہ مرکز سے صوبہ جات یا دیسی ریاستوں کے تعلق کی نسبت ہو یا انتخاب اور نمائندگی کے طریقوں کی نسبت کوئی ایسا اتفاق رائے حاصل ہو جائے جو موجودہ قانون کے لحاظ سے ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ قانون ہندوستان کے دستوری ماضی اور ہمارے مخصوص برطانوی دستوری تصورات پر مبنی ہے"

اصلاحات کی تاریخ

"یہاں تک ذکر طریقہ کا تھا، اب سوال تاریخ کا ہے جو اسی قدر اصرار سے کیا جاتا ہے۔ اس کے متعلق بیان میں جو جواب دیا گیا ہے وہ بھی واضح ہے۔ "ان اہم اور عظیم الشان دستوری تنقیحات کا فیصلہ اور ایک نئے نظام حکومت کا قیام ایسے زمانہ میں نہیں ہو سکتا جب کہ ہم اپنے وجود تک کے لئے جنگ میں مصروف ہیں۔ وہ جنگ کے بعد کس قدر جلد اس کا انتظام ہو گا۔ اس کا فیصلہ خود ہندوستانیوں کے ہاتھ میں ہے۔ ہر ایک آبادی کے تجربہ سے ظاہر ہے کہ ان اساسی تنقیحات کا تصفیہ با آسانی یا بعجلت نہیں ہو سکتا۔ حقیقی

فیصلہ کن جلسوں سے قبل ہمیشہ بہت کچھ ابتدائی مباحث گفت و شنید و تحقیقات کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کی قطعاً کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ کیوں نا گزیر ابتدائی کام جنگ کے اختتام تک ملتوی رکھا جائے بعد جنگ قائم ہونے والی مجلس کی نسبت اتفاق رائے نتائج پر پہنچنے کے طریقہ کار اور دستور کے اصول اور خاکہ کی نسبت جس قدر کام مکمل ہو اسی قدر جلد ہر چیز جنگ کے بعد تکمیل پا سکتی ہے۔

ہندوستانیوں کی ذمہ داری

"جہاں تک ملک معظم کی حکومت کا تعلق ہے اس نے اس کا وعدہ کیا ہے کہ وہ ہر ابتدائی دوستانہ بحث اور تحقیقات کا خیر مقدم کریگی اور اس کو ترقی دیگی۔ ملک معظم کی حکومت نے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ جب دستور کے متعلق آخری فیصلے کی نوبت آئے تو اس وقت وہ متعلقہ امور کی نسبت عاجلانہ تصفیہ کے لئے مدد دیگی۔ حکومت اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتی۔ اب ایک اطمینان بخش اور جلد سے جلد نتائج حاصل کرنے کی ذمہ داری ہندوستانیوں پر ہے۔"

موجودہ نوعیت

اقتباسات مندرجہ بالا سے ظاہر ہوگا کہ:-

دستوری ترقی کا مقصد جیسا کہ حکومت کی جانب سے وقتاً فوقتاً اعلان کیا جاتا رہا ہے ہندوستان کی دستوری ترقی کا نصب العین نوآبادیاتی

نوآبادیاتی مرتبہ یہ نوآبادیاتی مرتبہ کیا ہوگا اس کے متعلق وزیر ہند نے فرمایا ہے کہ یہ برطانوی دولت عامہ میں آزاد اور مساویانہ شرکت کا نام ہے۔ آزاد علیحدہ اقوام کے مرتبہ سے کہیں زیادہ لائق ترجیح ہے دنیا کا سب سے بڑا مرتبہ ہے۔

دستور بابت ۱۹۳۵ء کی نظر ثانی مسلم لیگ کے مطالبہ کی بموجب حکومت نے دستور ہند بابت ۱۹۳۵ء کی وفاقی اسکیم کو کالعدم کر دیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ جنگ کے بعد اس کی پالیسی اور خاکہ کی ازسر نو نظر ثانی ہوگی۔

جملہ عناصر سے مشاورت حکومت نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ کوئی دستور ہندوستان کے مختلف فرقوں جماعتوں اور مفادات سے مشاورت کے بغیر مرتب نہیں ہوگا اور یہ کہ اقلیتوں کے خیالات کو وزن دیا جائے گا۔

جدید دستور | آئندہ دستور کے تعین اور تدوین کے متعلق طے کیا گیا ہے کہ :-

(۱) جدید دستور کی تدوین چند شرائط کے ساتھ ہندوستانیوں کی ایک ایسی مجلس کرے گی :-

(الف) جو ہندوستان کی قومی زندگی کے اہم عناصر کے نمائندوں پر مشتمل ہوگی اور

(ب) ان عناصر کے باہمی اتفاق اور سمجھوتہ سے تشکیل پائے گی، نہ اس طرح سے کہ وہ صرف اکثریتی عنصر کے لئے قابل قبول ہو، اور اقلیتی عنصر کے لئے ناقابل قبول (جیسا کہ کانگریس کی مجوزہ مجلس دستور ساز کا حال تھا)

(۲) جدید دستور کا تعین (الف) ہندوستان کی قومی زندگی کی ساخت اور حالات کے مطابق ہوگا۔ اس سلسلہ میں بتایا گیا ہے کہ یہ ہوسکتا ہے کہ موجودہ اسکیم سے بالکل الگ .... کسی جدید بنیاد پر وہ اتفاق رائے حاصل ہوجائے جو موجودہ دستور کی رو سے (جو روایات، ماضی اور برطانوی دستوری تصورات پر مبنی ہے) ممکن نہیں ہے۔ (یہ بنیاد پاکستان ہوسکتی ہے۔ مؤلف)۔

(ب) جملہ عناصر کے اتفاق رائے پر مبنی ہوگا، نہ کہ اکثریت کے فیصلہ پر جس میں جمہوریت سے زیادہ عملی سہولت پیش نظر

رہتی ہے اور جس میں یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ عام اتفاق رائے موجود ہے۔

اس سلسلہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ علیحدہ عنصر کا اتفاق رائے ہر آزاد حکومت کی بنیاد ہے۔ اور یہ کہ یہ اتفاق رائے ہر آبادیاتی دستور کے لئے ضروری سمجھا گیا ہے۔ اس کے متعلق یہ کہنا کہ کسی عنصر کو دستوری ترقی کی نفی کا اختیار دیدیا گیا ہے ناانصافی ہے۔

مسئلہ ہندوستانیوں کے ہاتھ میں

جدید دستور جنگ کے بعد مرتب ہوگا لیکن اب

(الف) مجلس کی تشکیل۔

(ب) اس کے طریقہ کار اور

(ج) دستور کے اصول اور خاکہ

کے متعلق سمجھوتہ ہو جانا چاہئے تاکہ جنگ ختم ہوتے ہی جلد سے جلد تعمیری کام شروع ہو جائے۔

لہذا ہندوستان کے مختلف فرقوں، جماعتوں اور مفادات کا فرض ہے کہ مزید وقت ضائع کئے بغیر اس تعمیری کام کا آغاز کریں۔

آئندہ دستور کو پاکستان کے اصول پر مبنی ہونا چاہئے

اگر کانگریس اپنی تصوریت سے نکلکر قومی وطن کے اصول کو تسلیم کرلے۔

جس کے بغیر مسلمان اور دیگر اہم اقلیتوں سے سمجھوتہ ناممکن ہے تو ا
بنیاد پر برطانوی ہند کے ہندو اور مسلمان اور دیسی ریاستیں متحدہ
کوئی دستور ترتیب دے سکتے ہیں ۔
مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے تو آئندہ دستور کو پاکستان کے اصو
پر مبنی ہونا چاہیئے ۔